قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اختلاف امتی رحمۃ

رسالہ

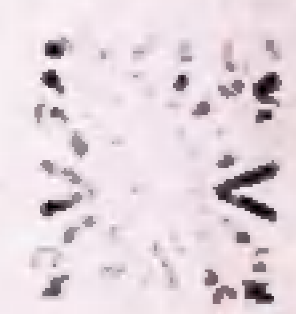
اختلاف الائمہ

مصنفہ

حضرت اقدس برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ

یہ معرکۃ الآراء رسالہ اپنے موضوع پر ایک اہم رسالہ ہے یہ اگرچہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا تاہم جو بحثیں مذاہب اور ائمہ مجتہدین کے اختلاف کے اسباب کے ذیل میں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہیں ان کی انفرادیت اور اہمیت کی ضمانت کے لئے مصنف کا نام نامی کافی ہے۔ رسالہ دلچسپ ہونے کے ساتھ اساتذہ تلامذہ بلکہ عوام سب ہی کے لئے مفید ہے۔



مکتبۃ الشیخ ۔ ۳/۳۶۷ بہادر آباد۔ کراچی

[illegible]

[illegible]

23.12.84 [illegible]

ھدیہ از طرف دار العلوم حقانیہ ...

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اختلاف امتی رحمۃ

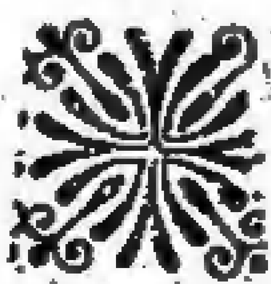
رسالہ

اختلاف الائمہ

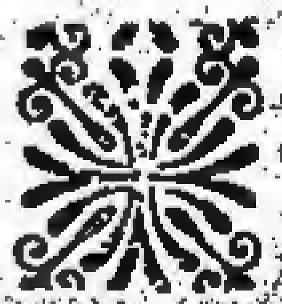
مصنفہ

حضرت اقدس برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ

یہ معرکۃ الآراء رسالہ اپنے موضوع پر ایک اہم رسالہ ہے یہ اگرچہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا تاہم جو بحثیں مذاہب اور ائمہ مجتہدین کے اختلاف کے اسباب کے ذیل میں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہیں ان کی انفرادیت اور اہمیت کی ضمانت کے لئے مصنف کا نام نامی کافی ہے۔ رسالہ دلچسپ ہونے کے ساتھ اساتذہ تلامذہ بلکہ عوام سب ہی کے لئے مفید ہے۔







مکتبۃ الشیخ ۔ ۳/۳۶۷ بہادر آباد ۔ کراچی

نام کتاب ______ اختلاف الائمہ

صفحات ______ ۸۸

ہدیہ ______ روپے

کتابت ______ عبدالحق حقانی

تعداد طباعت ______ ایک ہزار

ناشر

مکتبۃ الشیخ

۳/۳۶۷ — بہادر آباد گلی نمبر ۱۹ کراچی

مطبوعہ گلزار پریس، مرشد محمد سلطان روڈ کراچی ۱ — ٹیلیفون نمبر 674325





فہرست ہائے مضامین اختلاف الائمہ

مقدمہ

از مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم ثم مہاجر مدنی قدس سرہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم وآلہ واصحابہ واتباعہ وحملۃ للدین القویم

اما بعد مدرسہ مظاہر علوم سے رمضان ۱۳۷۹ھ میں ایک ماہوار رسالہ "المظاہر" محبی و مخلصی مولانا جمیل احمد صاحب مدرس مدرسہ وحال مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور کی زیر ادارت نکلنا شروع ہوا تھا اور مولانا موصوف کے شدید اصرار پر اپنی نااہلی اور بے بضاعتی کے باوجود اختلاف ائمہ پر ایک مضمون موصوف کے شدید اصرار اور تقاضوں پر شروع کیا تھا جب تک وہ رسالہ جاری رہا تو باوجود مشاغل کے ہجوم کے دو چار صفحات ہر ماہ لکھتا رہا لیکن عوارض اور موانع کی وجہ سے یہ رسالہ تقریباً تیرہ ۱۳ چودہ ۱۴ ماہ بعد بند ہوگیا تو اس ناکارہ کا مضمون بھی بند ہوگیا اگرچہ بہت سے احباب اور مختلف رسائل کے ایڈیٹران نے بہت ہی شدید اصرار اس کی تکمیل پر کیا لیکن مولانا جمیل احمد صاحب تو چونکہ مدرسہ کے مدرس تھے ہر وقت پاس رہتے تھے اس لئے بار بار کے تقاضا پر کچھ لکھا لیتے تھے لیکن رسالہ کے بند ہونے کے بعد میری خواہش اور احباب کے اصرار کے باوجود اس کی تکمیل کی نوبت نہیں آئی ارادہ تو اس میں بہت تفصیل اور بہت سے مضامین لکھنے کا تھا مگر مشاغل علمی اور تالیفی بڑھتے ہی رہے اس لئے اس کی تکمیل کی نوبت نہیں آئی۔ بعض احباب نے اس وقت یہ بھی اصرار کیا کہ جتنا ہو گیا ہے اس کو حصہ اول کر کے طبع کرا دیا جائے مگر مضمون چونکہ بہت ہی ناقص تھا اس لئے یہ خیال رہا کہ جب کچھ حصہ اور ہو جائے تو طبع کرا دیا جائے لیکن اب تو اس کی امید بالکل ہی منقطع ہو گئی کہ امراض کی کثرت نے بالکل ہی معذور کر دیا اور لب گور بیٹھا ہوں اس لئے عزیز مولوی محمد شاہد سلمہ اور میرے دوسرے مخلص دوستوں کا اصرار ہوا کہ جتنا لکھا گیا ہے وہ بھی نفع سے خالی نہیں اس لئے عزیز مولوی شاہد سلمہ اسکو طبع کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔ لوگوں کو منتفع فرمائے اور عزیز موصوف کو دارین کی ترقیات سے نوازے۔ آمین۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

اختلاف ائمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

حامداً و مصلیاً۔ عرصہ سے یہ اشکال قلوب سے نکل کر زبانوں تک پر آرہا ہے کہ ائمہ مجتہدین جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے استدلال فرماتے ہیں تو ان کے مابین اختلاف کیوں ہے بالخصوص مناظروں کی گرم بازاری اور اختلافی مسائل پر عام رسائل کے شیوع نے اس اشکال کی اور بھی زیادہ بُری صورت بنادی، حتی کہ اشکال کرنے والے دو فریق پر منقسم ہو گئے، ایک فریق ائمہ مجتہدین کے ساتھ بدظنی کے الحاد میں اس قدر پھنس گیا ہے کہ وہ اپنی خوش اعتقادی سے اگر اس بھنور سے نکلنا بھی چاہتا ہے تو اس کے سامنے مجتہدین کے اقوال نصِ صریح کے خلاف ہونے کا ایسا جال ہوتا ہے کہ وہ اس وجہ سے اس سے نکل بھی نہیں سکتا، دوسرا فریق اس سے بھی کچھ زیادہ ترقی کر چلا ہے کہ وہ ائمہ مجتہدین سے آگے بڑھ کر خود سردارِ دو عالم نبی اکرم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی شان میں گستاخ خیالات جمانے لگا ہے کہ کہیں کچھ ارشاد فرمادیا ہے اور کہیں کچھ اور فرمادیا، اور حقیقی قصور ان اردو تراجم کا ہے کہ بات سمجھنے کے لیے اس کی استعداد اور اس کے مقدمات کا معلوم اور مستحضر و ذہن نشین ہونا ضروری ہے اور یہ مفقود ہو جانے سے صرف الفاظ کا ترجمہ سامنے آکر خلجان اور اشکال کا سبب بن جاتا ہے اس اختلاف کے ثمرات کی اب یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ آپس میں فرقہ بندی اور منازعات و مخاصمات کی نوبت آتی رہتی ہے۔ ایک فریق وضو کرتا ہے تو دوسرے کے نزدیک باطل اور دوسرا فریق نماز پڑھتا ہے تو وہ اس کے نزدیک فاسد، زکوٰۃ، صوم، حج، ہر ہر چیز میں اختلافات بڑھنے لگے اور مخاصمت کی نوبت پہنچ گئی۔ اس لیے نہایت ضروری ہوا کہ اصل اختلافات کا مبنی ظاہر کیا جائے اور ابتدائی زمانہ سے

اختلاف کی وجوہ بتلا کر اس پر متنبہ کیا جائے کہ نہ درحقیقت روایات کا اختلاف ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عالی بارگاہ میں شبہ کی گنجائش ہو نہ اس کے بعد صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین کی شان میں گستاخی کی گنجائش ملے۔ بلکہ حقیقتاً جملہ مجتہدین صراط مستقیم ہی کے پیش رو ہیں۔ اور اسی کی طرف داعی وہادی، اور ان کی شان میں گستاخی حرمان کی علامت ہے والعیاذ باللہ۔

اس میں شک نہیں کہ مضمون نہایت ہی اہم اور ضروری ہے مگر اے کاش کہ اس کے لیے کسی ایسے شخص کا قلم ہوتا جو اس کا اہل ہو ورنہ میری ناقص تحریر اس مضمون کو سلجھانے کے بجائے خدانخواستہ کسی اور الجھاؤ میں نہ پھنسا دے، ہرچند میں نے اہل "المظاہر" سے عذر کئے مگر ان کے از حد رفتہ اصرار نے مجبور کیا۔ کہ اپنی نااہلیت کا اعتراف کرتے ہوئے کچھ عرض کردوں۔ اسلیے اپنی ٹوٹی پھوٹی تحریر پیش کرتا ہوں۔

چونکہ اس اختلاف کے حقیقتاً تین دور ہیں۔ ایک[1] اختلاف روایات یعنی نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اقوال وافعال میں جو بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے اختلاف آثار یعنی صحابہ کرام وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال وافعال میں جو تعارض معلوم ہوتا ہے اور تیسرے اختلاف مذہب جو ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں اگر کسی مجتہد کا قول مختار ہونے کی وجہ سے اس کے مقلدین کے لیے ہمیشہ کا معمول بہ بن گیا، اس لیے میں بھی ان تینوں پر علیحدہ علیحدہ اجمالی گفتگو ضروری سمجھتا ہوں اور چونکہ دوسرا تیسرا اختلاف حقیقتاً پہلے ہی اختلاف کی فرع ہے اس لیے اسی ترتیب سے اپنی تحریر کو پیش کرتا ہوں۔

وباللہ التوفیق۔

۱۲

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسائل کی صورت اور اختلاف روایات کی بڑی وجہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تعلیم مسائل کی یہ صورتیں نہیں تھیں جو آج دائر ہیں کہ فقہ کے نام سے مستقل تصانیف، کتب اور رسائل بڑی اور چھوٹی تالیفات ہر ہر نوع اور ہر ہر مسئلہ پر جدا جدا لکھی جاتی یا پائی جاتی ہیں۔ مسائل اور احکام میں ارکان اور شرائط آداب اور ممنوعات کو جدا جدا بتایا جاتا ہے، اسکی صورت صرف یہ تھی کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے جب کوئی حکم نازل ہوا تو اس کو قولاً اور فعلاً خود کر کے بتلا دیا، وضوء نازل ہوئی تو خود وضوء فرما کر بتلا دی۔ اور نماز نازل ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے پڑھ کر حضور کو بتلا دی اور امت کو سکھلا دی، اور اس میں یہ صورت یہ تدقیقات کہ فلاں جزو فرض ہے فلاں رکن فلاں سنت ہے فلاں واجب نہیں ہوتی تھیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین احتمالات اور عقلیات دریافت ہی نہیں فرماتے تھے اگر کوئی جرح بھی کرتا تھا تو وہ خلاف ادب شمار کیا جاتا تھا اور اس کو بے ادبی پر تنبیہ کی جاتی تھی۔

حضرت ابن عمرؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے اہل کو اگر وہ مسجد میں نماز پڑھنا چاہے تو نہ روکے۔ ابن عمر کے ایک صاحبزادہ نے زمانہ کو دیکھتے ہوئے عرض کر دیا کہ ہم تو مسجد میں نہ جانے دیں گے، حضرت ابن عمر کو حدیث نبوی کے مقابلہ میں بیٹے کا یہ فقرہ سننا گوارا تو کیا ہوتا صرف ڈانٹ ڈپٹ ہی نہیں بلکہ مسند احمد کی روایت میں لکھا ہے کہ اس کے بعد سے مرنے تک بیٹے سے کلام نہیں کیا۔ اور یہ فرمایا کہ میں حضور کا ایک فرمان نقل کرتا ہوں تو اس کا یہ جواب دے۔ ایسے ہی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ وتر واجب ہے یا سنت، انہوں نے جواب میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ہمیشہ وتر پڑھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہمیشہ وتر پڑھے، اس کے بعد مکرر سہ کرر سائل دریافت کرتا رہا کہ وتر واجب ہے یا نہیں اور حضرت ابن عمرؓ یہی جواب مرحمت فرماتے رہے، جس کا مطلب یہی تھا کہ عمل کرنے والے کے لیے تدقیقات کی ضرورت نہیں، جب حضور اقدس اور صحابہ کا معمول یہ ہے تو واجب العمل ہونا خود معلوم ہو جاتا ہے، غرض مسائل کی تعلیم اکثر فعلی حسب ضرورت ہوتی رہتی تھی، وہ لوگ ایسی صورتوں کو کہ اگر کوئی وضو میں فلاں چیز ترک کر دے تو کیا حکم ہے اور اگر ایسا ہو جائے تو کیا ہو گا ناپسند سمجھتے تھے، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے جو ایسے سوالات کرتا پھرے جو درپیش نہیں، جو مسئلہ بحیثیت واقعہ پیش آتا تھا وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے دریافت کر لیا جاتا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مناسب و موافق حکم ارشاد فرما دیتے تھے ایسی صورت میں اختلاف ہونا لازمی اور بدیہی ہے۔

مثال کے طور پر چند واقعات لکھے جاتے ہیں جس سے اس کا اندازہ اور بھی واضح ہو جائے گا۔ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل فرمایا ہے کہ ایک نابینا صحابی نے آکر حضورؐ سے یہ عرض کیا کہ مجھے مسجد تک پہونچانے والا کوئی شخص نہیں مجھے اس کی اجازت ہے کہ اپنے گھر نماز پڑھ لیا کروں اور مسجد میں حاضر نہ ہوا کروں، حضورؐ نے اجازت مرحمت فرما دی، اور پھر یہ معلوم فرما کر کہ ان کا گھر اتنا قریب ہے کہ اذان کی آواز ان کے گھر تک جاتی ہے ان کو اجازت نہیں دی اور مسجد میں آکر شرکت نماز کا حکم فرمایا، لیکن عتبان بن مالکؓ کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عدم بینائی کا عذر قبول فرما کر ان کو مسجد میں نہ آنے کی اجازت فرما دی، ایسے ہی عبداللہ بن زیدؓ نے الفاظ اذان کو خواب میں دیکھا تھا ان کے لیے حضور اقدسؐ نے اس کی اجازت فرما دی کہ باوجود بلالؓ کے اذان کہنے کے وہ تکبیر کہیں لیکن ایک سفر کے موقعہ میں زیاد بن حارث صدائی نے اذان کہی اور

اس کے بعد حضرت بلالؓ نے تکبیر کا ارادہ کیا تو حضور اقدسؐ نے یہ فرما کر جو شخص اذان کہے اسی کا حق اذان کہنے کا ہے حضرت بلالؓ کو روک دیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے تمام مال کو ایک مرتبہ تصدق فرما دیا اور حضورؐ نے قبول فرما لیا لیکن متعدد صحابہ ایسے تھے جنہوں نے اپنے تمام مال کا صدقہ کیا یا صدقہ کا ارادہ فرمایا اور حضورؐ نے ان کو روک دیا اور رد فرما دیا۔ غرض یہ واقعات دو چار نہیں۔ سینکڑوں اور ہزاروں کی مقدار میں ایسے ہیں جن سے یہ امر نہایت واضح ہو جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اشخاص کیلئے کوئی حکم فرماتے تھے جسکی دوسرے بعض کو اجازت نہیں ہوتی تھی ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ سے ایک شخص نے روزہ کی حالت میں بیوی سے بوس و کنار کو دریافت کیا۔ تو حضورؐ نے اجازت فرما دی، اور ایک دوسرے شخص نے دریافت کیا تو حضورؐ نے منع فرما دیا، فوراً یہ بات سمجھ میں آئی کہ جسکو اجازت دیدی تھا وہ بوڑھا شخص تھا اور جسکو منع فرمایا وہ جوان تھا۔

اب ان سب قصوں میں ہر شخص یقیناً وہی امر نقل کرے گا جو اس پر گذرا۔ اور جسکو وہ خود بلا واسطہ حضورؐ سے معلوم کر چکا ہے، جس شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ میں اس کی اجازت فرما دی ہے وہ بلا تکلف ـــــــــــ ہر شخص تک اس امر کو پہنچانے کا ساعی ہوگا کہ روزہ کی حالت میں بوس و کنار جائز ہے اور مفسد روزہ نہیں۔ اور دوسرا شخص اسی شدومد سے اس کا خلاف نقل کرے گا۔ اور وہ روزہ کیلئے اس کو ناجائز قرار دے گا، اور یہی نہیں کہ صرف ان دو شخصوں کی متعارض روایتیں ہو گئیں بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ہمیشہ طالبین و شائقین کا مجمع رہتا تھا، مسائل پوچھنے والے، زیارت کرنے والے، قاصد و امیر ہر وقت آتے جاتے رہتے تھے۔"

اس بنا پر ان مختلف احکام کے دو وقتوں میں سننے والے جہاں جہاں جائیں گے وہی امر نقل کریں گے جو انہوں نے اپنے کانوں سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے سنا ہے، درحقیقت یہ ہی ایک وجہ ایسی اہم اور طویل ہے۔ کہ اس کے ذیل میں جس قدر بھی

اختلاف روایات ہو وہ کم ہے اس لیے کہ مجمع میں معذور غیر معذور، قوی، ضعیف، ہر نوع کے شخص ہوتے ہیں اور ہر شخص کے لیے اس کی قوت وضعف کے لحاظ سے حکم بدل جاتا ہے، ایک شخص اس قدر قوی القلب ہے کہ وہ اگر اپنا تمام مال صدقہ کردے تو اس کی زبان پر شکوہ یا سوال تو درکنار اس کے قلب پر یہ بھی اطمینان ہے کہ اس کو جتنی بھی تکلیف ہوگی اسی ہی قدر رضاء الٰہی اور توجہ الی اللہ میں انہماک ہوگا اس کے لیے نہایت ہی مناسب ہے کہ تمام مال تصدق کردے، دوسرا وہ شخص ہے جس پر اس قسم کا اطمینان نہیں بلکہ اندیشہ شکوہ شکایت سے بھی آگے بڑھ جانے کا ہے اس کے لیے ناجائز ہے کہ وہ اپنا تمام مال تصدق کردے۔

ایسے ہی اگر ایک شخص نہایت قوی ہے اس کے لیے یہی انسب ہے کہ وہ سفر کی حالت میں رمضان المبارک کا روزہ قضا نہ کرے کہ رمضان المبارک کی فضیلت ہاتھ سے نہ جائے، لیکن اگر دوسرا شخص ضعیف ہے اس کے لیے ایسی حالت میں کہ مضرت کا احتمال غالب ہو رمضان المبارک میں روزہ رکھنا ناجائز ہوگا اسی ہی فرق کی وجہ سے روایات حدیث میں اس جگہ بھی اختلاف ہوگا، ابوسعید خدریؓ نقل کرتے ہیں کہ ہم سولہ رمضان المبارک کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں ایک غزوہ کے لیے چلے راستہ میں ہمارے بعض رفقاء نے روزہ رکھا اور بعض نے افطار کیا، کوئی ایک فریق دوسرے پر معترض نہیں تھا، نہ روزہ رکھنے والے افطار کرنے والوں کو مطعون کرتے تھے نہ افطار کرنے والے روزہ رکھنے والوں کا خلاف کرتے تھے۔

حمزہ بن عمرو اسلمیؓ نے خود حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے سوال کیا کہ میری عادت کثرت سے روزہ رکھنے کی ہے سفر کی حالت میں روزہ رکھ لیا کروں؟ حضور نے ارشاد فرمایا اختیار ہے چاہے رکھ لو یا نہ رکھو، لیکن حضرت جابرؓ نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سفر کی حالت

میں روزہ رکھنا کچھ بھلائی کی بات نہیں ہے، بلکہ ایک جگہ نقل کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ان لوگوں کو گنہگار بتلایا ہے جو حالت سفر میں روزہ رکھتے ہوں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ عبدالرحمٰن بن عوف حضورؐ سے نقل فرماتے ہیں کہ سفر کی حالت میں روزہ رکھنے والا ایسا ہے جیسا کہ حضر یعنی غیر سفر کی حالت میں روزہ توڑنے والا۔

غرض اختلاف روایات کی بڑی وجہ یہ اختلاف احوال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احوال و اوقات کے لحاظ سے دو وقتوں میں دو شخصوں کو علیحدہ ارشادات فرمائے جس مجمع میں جو حکم ارشاد فرمایا دوسرے حکم کے وقت وہ ہی مجمع نہ ہونا بدیہی ہے، اس لیے دو بڑی جماعتیں دو مختلف حکموں کی ناقل بن گئیں، اگر ایسے بھی بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوں گے بلکہ ہوتے تھے جنہوں نے دونوں حکم سنے ہوں گے اور ان کو ضرور یہ تأمل و غور کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ ان مختلف احکام کی کیا وجہ ہوئی اور پھر انہوں نے اپنے خیال کے موافق دونوں کو جمع فرمایا جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے روزہ کی حالت میں بوس و کنار کے بارہ میں دو حدیثیں نقل کیں اور دونوں کے اختلاف کی وجہ بھی بتلا دی، ایسے ہی اور ہزاروں واقعات نکلیں گے اس جگہ ان کا استیعاب نہ ہو سکتا ہے نہ مقصود، یہ چند واقعات بھی مثال کے طور پر اس لیے ذکر دیئے ہیں کہ یہ بات اگرچہ خود ہی بدیہی ہے لیکن واقعات کی شہادت سے اور زیادہ ذہن نشین ہو سکتی ہے ان مختلف روایات کے بعد صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین کا یہ فرض ہے کہ وہ دونوں طرح کی روایات کا ماخذ، موقع، محل تلاش فرما کر ہر روایت کو اس کے موقع پر محمول فرما دیں۔

اختلاف روایات کی دوسری اور تیسری وجہ

منجملہ اور وجوہ کثیرہ کے دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حکم کسی خاص شخص کے لیے مخصوص فرمایا کسی خصوصیت کی وجہ سے

کسی شخص کو مخاطب فرما کر کوئی ارشاد فرما کر خصوصاً مجلس میں سے بعض حضرات نے اس کو عام حکم سمجھ کر کلیہ کے طور پر نقل فرما دیا۔ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت حضرت عائشہؓ کے خیال کے موافق حضرت ابن عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے حضرت عائشہؓ اس کا انکار فرماتی ہیں ان کا خیال ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خاص عورت کے بارہ میں یہ قصہ فرمایا تھا کہ وہ یہودیہ جس پر یہ گھر والے رو رہے ہیں عذاب دی جارہی ہے ہمیں اس جگہ نہ اس نوع کی روایات کا احصار مقصود ہے نہ اس پر کلام بلکہ مقصد یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی رائے جمہور محققین کے نزدیک راجح ہے یا ابن عمرؓ کی۔ ہمارا مقصود صرف یہ تبلانا ہے کہ اس نوع کا اختلاف بھی روایات حدیث میں بکثرت موجود ہے اسی قبیل سے حنفیہ کی تحقیق کے موافق خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد کی روایات ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلیک غطفانی ایک صحابی جو نہایت ہی ضرورتمند غریب الحال تھے ان کو اس لیے تحیۃ المسجد کا اس وقت حکم فرمایا تھا کہ لوگ ان کی غربت پر بھی نظر کریں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس خصوصیت کا لحاظ کریں گے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خطبہ کے درمیان ہی میں نوافل کا حکم فرمایا بعض روایات کے موافق خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ روک کے کھڑے رہے لیکن مجمع میں بہت سے حضرات تھے جنہوں نے اس حکم کو عام قرار دیا اور کلیہ کے طور پر نقل فرما دیا کہ جو شخص خطبہ کے وقت مسجد میں داخل ہو اس کو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنی چاہئیں۔ اسی قبیل سے ہی سالم مولیٰ حذیفہ کے دودھ پلانے کا قصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخصوص ان کے لیے حکم ارشاد فرمایا تھا لیکن حضرت عائشہؓ اس حکم کو عام سمجھ کر کلی طور پر یہ حکم لگاتی ہیں اور دیگر ازواج مطہرات نے کلیۃً اس سے انکار فرمایا ہے۔ ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ہمیں اس حکم کی وجہ معلوم نہیں

میں یہ قطعی ہے کہ یہ حکم سالم کے ساتھ مخصوص تھا یہی وجوہ ہیں عمران بن حصین کے اس قول کی جس کو ابن قتیبہ نے تاویل مختلف الحدیث میں نقل کیا ہے۔

ان عمران بن حصین قال واللہ ان کنت لاری انی لو شئت لحدثت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یومین متتابعین ولکن بطانی عن ذالک ان رجلا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمعوا کما سمعت وشھدوا کما شھدت ویحدثون احادیث ما ھی کما یقولون واخاف ان یشبہ لی کما شبہ لھم فاعلمک انھم کانوا یغلطون لا انھم کانوا یتعمدون۔

عمران بن حصین صحابی فرماتے ہیں واللہ مجھے اس قدر حدیثیں یاد ہیں کہ چاہوں تو دو روز تک برابر روایت کرسکتا ہوں لیکن یہ مانع ہے کہ چند صحابہ نے میری طرح سے احادیث کو سنا اور حضور کی خدمت اقدس میں میری طرح حاضر باش رہے۔ لیکن پھر بھی روایت میں غلطی کرتے ہیں مجھے روایت کرنے میں یہ بھی اندیشہ ہے کہ روایات مجھ پر ایسی مشتبہ ہو جائیں جیسا کہ ان پر مشتبہ ہو گئیں۔ میں اس پر متنبہ کرتا ہوں کہ ان لوگوں سے کچھ وہم ہوا نہ کہ وہ دیدہ دانستہ غلط روایات کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں کثرت روایت کو منع فرمادیا تھا حتی کہ اسی کثرت کی وجہ سے بعض اجل صحابہ پر پابندی عائد کردی تھی ابو سلمہؓ نے حضرت ابوہریرہ سے پوچھا کیا تم عہد فاروقی میں بھی اسی کثرت سے روایت کرتے تھے انہوں نے فرمایا کہ اگر اس وقت اس طرح روایت کرتا تو حضرت عمرؓ درہ سے

خبر لیتے غرض اختلاف روایات کی دوسری وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ جو حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی خاص شخص کے لیے مخصوص طور پر فرمایا تھا اس کو کسی نقل کرنے والے نے علی العموم نقل کر دیا جس کے امثلہ ابھی گذر چکی ہیں اور تیسری وجہ اسکے عکس کی صورتیں ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کوئی حکم علی العموم ارشاد فرمایا تھا اس کو کسی نقل کرنے والے نے کسی شخص کے ساتھ یا کسی وقت کے ساتھ مخصوص قرار دے لیا اس کی مثالیں بھی گذشتہ روایات میں ظاہر ہیں مثلاً حضرت ابن عمرؓ کی وہ روایت جو میت کے عذاب کے بارہ میں گذری ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وہ مخصوص یہودیہ کا قصہ ہے انہی مواقع کی تنقیح کے لیے ائمہ مجتہدین کی ضرورت ہے جن کے سامنے ہر نوع کی مختلف روایات موجود ہوں صحابہ کے مختلف اقوال مستحضر ہوں جن کے مجموعہ سے یہ امر منقح ہو سکے کہ کون حکم عام ہے کون خاص اور کیا داعی ہے ایک ہی امر کو ایک شخص کے لیے جائز قرار دینے کا اور اسی کو دوسرے کے لیے ناجائز فرمانے کا۔

اختلافِ روایات کی چوتھی وجہ

روایات حدیث کے درمیان میں بسا اوقات اختلاف اس وجہ سے بھی ہوا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو متعدد لوگوں نے ایک کام کرتے دیکھا دیکھنے والوں کے فہم کا مختلف الوزن ہونا بدیہی ہے بعض لوگ مجتہد تھے فقیہ تھے بات کو اس کے طریقہ کے موافق سمجھنے والے تھے انہوں نے حسب موقع واقعہ کے مطابق خیال اور بعض لوگ حافظہ کے دھنی بات کو یاد رکھنے میں یکتا پہلے طبقہ سے بھی اس میدان میں جا کر آگے لیکن تفقہ میں اُن سے کم انہوں نے واقعہ اپنی فہم کے مطابق نقل فرمایا اس کی مثالیں کتاب الحج میں سینکڑوں ملیں گی۔ مثلاً ایک شخص نقل کرتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حج افراد تھا اس لیے کہ اُس نے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لبیک بحجۃ کہتے سنا اس میں تردد نہیں کہ روایت صحیح اس میں شک نہیں کہ نقل کرنے والے نے کوئی کوتاہی نہیں کی لیکن دوسرے لوگ نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احرام قران تھا یہ روایت ظاہراً پہلی کے مخالف ہے اس لیے قران حج کی مستقل دوسری قسم ہے جو افراد کے علاوہ ہے لیکن حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی اختلاف نہیں اس لیے کہ قارن کے لیے لبیک بحجۃ کہنا بھی جائز ہے اب صرف مجتہد ہی کا کام رہ گیا ہے کہ دونوں کی طرح روایات کو سامنے رکھ کر ان میں جمع کی صورت پیدا کرے دونوں کے محمل مستقل قرار دے تاکہ تزاحم روایات سے خلجان نہ پیدا ہو۔ اسی قبیل سے نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا ابتداء احرام ہے اس بارہ میں روایات مختلف واقع ہوئی ہیں کہ حضورؐ نے احرام کی ابتداء کس وقت فرمائی اور اسی اختلاف روایات کی وجہ سے ائمہ میں بھی اس امر میں اختلاف ہوا ہے کہ احرام کا باندھنا کس وقت افضل ہے۔ چنانچہ ان ہی مختلف روایات کی بناء پر سعید بن جبیر جو ایک بڑے تابعی ہیں انہوں نے حبر الامۃ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ پر اس اختلاف روایات کا اشکال کر کے اس کا حل پوچھا ہے ابوداؤد میں یہ مفصل روایت موجود ہے جس کا مطلب خیز ترجمہ یہ ہے کہ سعید بن جبیر کہتے ہیں میں نے عبد اللہ بن عباسؓ سے یہ کہا کہ مجھے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اس اختلاف پر بہت بڑا تعجب ہو رہا ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتداء احرام میں واقع ہوا نہ معلوم اس قدر اختلاف کیونکر ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس کی اصلیت خوب معلوم ہے ، حقیقت یہ ہوئی تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چونکہ ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا ہے (وہ بھی آخر عمر میں اس لئے لوگوں کا مجمع بہت ہی زیادہ ہو گیا تھا جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس وقت جو کام کرتے دیکھا اسی کو اصل سمجھا) اس بنا پر اختلاف ہو گیا اس احرام کا قصہ یہ ہوا تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ نے سفر حج میں ذوالحلیفہ کو قیام گاہ بنا کر اس کی مسجد میں دوگانہ احرام ادا فرمایا تو اسی وقت احرام باندھ لیا تھا اس وقت جس قدر

مجمع موجود تھا انہوں نے سُنا اور آئندہ کے لئے نقل کیا کہ ابتداء احرام دوگانہ کے بعد مسجد ہی میں ہوئی ہے اس سے فراغت پاکر پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی پر سوار ہوئے جب اونٹنی آپ کو لے کر کھڑی ہوئی اس وقت آپ نے پھر باآواز بلند لبیک پڑھی۔ اس وقت ایک بڑے مجمع نے دور تک سُنا جن لوگوں نے پہلے بھی سنا تھا ان کو معلوم تھا کہ یہ لبیک دوسری مرتبہ کی ہے لیکن جن حضرات نے یہی سُنی ہے انہوں نے یہی نقل کیا کہ حضورؐ نے اونٹنی پر سوار ہونے کے بعد احرام کی ابتداء فرمائی مجمع کی کثرت کی وجہ سے نہ تمام مجمع میں حضورؐ کی آواز جا سکتی تھی نہ سب ایک یا دو مرتبہ میں حضورؐ سے مل سکتے تھے اس لئے جماعتوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے اور مسائل معلوم کرتے تھے۔ بالجملہ حضورؐ کی اونٹنی یہاں سے بیدا کی بلندی پر چڑھی حضورؐ نے (چونکہ حاجی کے لئے بلند مقام پر لبیک کہنا مستحب ہے اس لئے) وہاں بھی لبیک باآواز کہی اس وقت جو مجمع قریب ہو گیا تھا اس نے سُنا اور یہی کہا کہ حضورؐ نے بیدا پر احرام باندھا حالانکہ خدا کی قسم حضورؐ نے اپنے مصلے ہی پر احرام باندھا تھا، البتہ لبیک سب جگہ کہی۔" انتہی چونکہ سعید بن جبیرؓ نے مختلف روایات سُنیں اس لئے ان کو تحقیق کی ضرورت پیش آئی اور حسن اتفاق کہ عبد اللہ بن عباسؓ اس سب قصہ سے واقف تھے۔ اس لئے نہایت وثوق سے قسمیہ حقیقی ابتدا بتلادی اور چونکہ فقیہ اور مجتہد بھی تھے اس لئے ان سب روایات مختلفہ کے اختلاف کی وجہ اور ان کی جمع کی صورت بھی بتلادی لیکن جس عامی کے سامنے ان سب مختلف روایات کا صرف لفظی ترجمہ ہو وہ بیچارہ بحر تحیر و پریشانی کے اور کیا کر سکتا ہے لامحالہ پریشان ہوگا اور مختلف الانواع اشکالات پیش آئیں گے، اسی لئے بالآخر حضرات غیر مقلدین کو بھی اپنے تشدد و تعصب کے باوجود تقلید سے مفر نہ ہوا، حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے "سبیل الرشاد" میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی رئیس غیر مقلدین کا قول ان کے رسالہ "اشاعۃ السنۃ" سے نقل کیا ہے کہ نمبر ۲ جلد ۱۱ کے صفحہ ۵۳ میں لکھتے ہیں۔

کہ غیر مجتہد مطلق کے لئے مجتہدین سے فرار و انکار کی گنجائش نہیں اور نمبر ۲ جلد ۱۱ صہ ۵۳ پر لکھتے ہیں کہ پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لامذہب جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق و خروج تو اس آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے انتہی۔

اختلاف روایات کی پانچویں وجہ

بھی اسی کے قریب قریب ہے کہ نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو مختلف گروہ نے ایک کام کرتے ہوئے دیکھا بعض لوگوں نے اس فعل کو اتفاق خیال کیا، اس لئے امور طبعیہ عادیہ میں سمجھا، دوسرے بعض نے اس کو مقصود اور فعل ارادی خیال فرمایا انہوں نے اس کو سنت اور مستحب نقل فرمایا اس کی بہت سی امثلہ کتب حدیث کے ناظرین کو معلوم ہوں گی نمونہ کے طور پر حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام ابطح کو دیکھا جائے کہ اس سے کسی کو انکار کہ حضورؐ نے وہاں قیام فرمایا، حضرت ابوہریرہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے ہے کہ یہ بھی افعال مناسک حج سے ہے اور حاجی کے لئے وہاں کا قیام سنت ہے لیکن حضرت عائشہؓ اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ ہے کہ یہ قیام اتفاقی تھا اس کو مناسک حج سے کوئی سروکار نہیں، خدام نے وہاں خیمہ نصب کر دیا تھا اس لئے حضورؐ نے وہاں قیام فرمایا نیز مدینہ منورہ روانگی کے لئے بھی وہ سہل تھا کہ ادھر سے ادھر قافلہ کی روانگی بسہولت ہو جائے گی۔

یہاں اب مجتہد اور فقیہ کی ضرورت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ اس قیام کے متعلق دیگر صحابہ کی روایات اور آثار کو جمع کر کے ان دونوں

قولوں میں سے کسی کو ترجیح دے۔ چنانچہ ائمہ نے ایسا ہی کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی بنا پر کہ منزلنا غدا انشاء اللہ بخیف بن کنانۃ حیث تقاسموا علی الکفر۔ یعنی ہم کل انشاء اللہ خیف بن کنانہ میں منزل کریں گے جہاں ابتدائے عہد نبوت میں کفار مکہ نے حضور کی مخالفت پر آپس میں معاہدہ کیا تھا یہ الفاظ صاف بتلا رہے ہیں کہ اس جگہ قیام اتفاقیہ نہیں بلکہ قصداً شعار کفار کے موقع پر شعائر اسلام کے اظہار کا حکم تھا۔ اب اس کے ساتھ اگر اور مصالح بھی منضم ہو جاویں کہ مثلاً مدینہ منورہ کا راستہ ہی چونکہ اسی طرف کو ہے اس لیے واپسی میں سہولت ہو وغیرہ وغیرہ وہ اسکو مقتضی نہیں کہ وہاں قیام قصداً نہیں تھا

اختلاف روایات کی چھٹی وجہ

بسا اوقات روایات حدیث میں اختلاف علت حکم کے اختلاف کی وجہ سے بھی پیش آتا ہے۔ مثلاً یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے ایک کافر کا جنازہ قریب کو گذرا آپ فوراً کھڑے ہو گئے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان ملائکہ کی تعظیم کی وجہ سے کھڑے ہوئے تھے جو جنازہ کی ساتھ تھے۔ اس صورت میں مومن کا جنازہ اگر گذرے تو بطریق اولیٰ کھڑے ہونا چاہیئے، اور جن لوگوں کے نزدیک قیام کی یہ علت ہے وہ کافر کا لفظ روایت میں ذکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے اس لیے کہ ان کے نزدیک صاحب جنازہ کے کافر یا مسلمان ہونے کو اس میں دخل نہیں،

لیکن دوسری بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لئے کھڑے ہوئے کہ کافر کا جنازہ مسلمانوں کے سر سے اونچے کو نہ گذرے کہ اس میں مسلمانوں کی اہانت ہے، اس صورت میں قیام صرف کافر کے جنازہ کے ساتھ مخصوص تھا اور روایت میں کافر کے ذکر کرنے کی خاص طور سے

ضرورت ہے۔

اسی طرح سے رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں کہ بٹائی پر زمین دینا ہم لوگوں کے لئے نفع تھا مگر حضورؐ نے منع فرمایا اللہ ورسول کی اطاعت سب منافع پر مقدم ہے، عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم بٹائی پر زمین کا معاملہ کیا کرتے تھے، اور اس میں کچھ نقصان نہیں سمجھتے تھے، مگر جب رافع بن خدیجؓ نے یہ تبلایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا تھا ہم نے چھوڑ دیا۔

رافع بن خدیجؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ ہمارے چچا وغیرہ زمین بٹائی پر دیا کرتے تھے اس طرح پر کہ جو ڈول یعنی نالیوں کے قرب وجوار میں پیدا ہو! وہ مالک کا مابقیہ کاشتکار کا، یا کوئی اور خاص حصہ زمین کا مستثنیٰ کر لیتے تھے حضورؐ نے اس کو منع فرمادیا، کسی نے رافعؓ سے پوچھا کہ اگر روپیوں سے لگان مقرر کر کے دے انہوں نے کہا اس میں کوئی نقصان نہیں۔

لیکن ان سب کے خلاف عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے طاؤسؒ سے کہا کہ تم بٹائی پر زمین دینا چھوڑ دو صحابہؓ اس سے روکتے ہیں، انہوں نے کہا کہ مجھ سے اعلم الصحابہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تبلایا کہ حضورؐ نے اس کو منع نہیں فرمایا، بلکہ حضورؐ نے تو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ زمین اپنے مسلم بھائی کو مفت کاشت کے لئے دے دے یہ بہتر ہے اس سے کہ اس پر کچھ معاوضہ لے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق اس ممانعت کی علت حسنِ سلوک ہے ایک مسلم کے ساتھ نہ کہ فقہی عدم جواز لیکن رافعؓ کے نزدیک ممانعت کی علت عدم جواز ہے، ایسی ہی کتب حدیث میں اس کی سینکڑوں مثالیں نکلیں گی، نہ احصار ہو سکتا ہے نہ مقصود، غرض یہ ہے کہ روایات میں بسا اوقات حکم کو کسی ایک روایت کرنے والے نے کسی علت پر محمول سمجھا۔ دوسرے روایت کرنے والے نے کسی دوسرے علت پر معلل سمجھا، وہ دونوں اپنی اپنی فہم کے موافق اس کو اسی طرح نقل فرمائیں گے جس طرح ان کے

ذہن میں ہے، لیکن جس شخص کے سامنے دونوں طرح کی روایات ہیں اور اصول دوجوہ، وہ یقیناً ایک علت کو ترجیح دے کر کسی ایک روایت کو اصل قرار دے گا اور دوسری کے لیے کسی توجیہ کی فکر کرے گا، مگر کون؟ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کے سامنے ہر ہر مضمون کی سینکڑوں روایات موجود ہوں ہر ہر حدیث کے مختلف الفاظ مستحضر ہوں۔ بخلاف اس شخص کے جس کے سامنے صرف ایک ہی حدیث کا ترجمہ ہو نہ اس کو دوسری حدیث کا تعارض کا علم نہ وجوہ ترجیح کی خبر، وہ کیا علت کے رجحان کو سمجھ سکتا ہے اور کیا کسی حدیث کو ترجیح دے سکتا ہے۔

اختلاف روایات کی ساتویں وجہ

روایات حدیث کے اختلاف کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سے الفاظ کلام میں لیسے مستعمل ہوتے ہیں جن کے لغوی معنی بھی مستعمل ہیں اصطلاحی بھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معنی کے لحاظ سے کوئی کلام ارشاد فرمایا۔ جس کو بعض سننے والوں نے دوسرے معنی میں استعمال سمجھا، اس کی ایک آدھ دو مثالیں نہیں، سینکڑوں نہیں، ہزاروں بلکہ لاکھوں ملیں گی، مثلاً وضوء کا لفظ اصطلاحی معنی کے لحاظ سے متعارف وضو کے معنی میں ہوتا ہے لیکن معنی لغوی کے لحاظ سے لطافت، ستھرائی پاکیزگی اور ہاتھ دھونے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے شمائل ترمذی کی روایت ہے کہ سلمان فارسیؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ کھانے کے بعد وضوء کرنا برکت طعام کا سبب ہے، حضور نے ارشاد فرمایا کہ کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد دونوں وقت وضوء کرنا برکت طعام کا سبب ہے، اس جگہ پر سلمانؓ کے کلام میں بھی اور حضورؐ کے ارشاد میں بھی وضوء کا لفظ بالاتفاق ہاتھ دھونے کے معنی میں ہے۔

ایسے ہی ترمذی شریف میں عکراش کی ایک طویل حدیث ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ اس کھانے سے فراغت پر پانی لایا گیا حضور نے اپنے دست مبارک

دھو کر ہاتھوں کو منہ پر اور بازوؤں پر پھیر لیا۔ اور فرمایا کہ یہ ملکرانش آگ کی پکی ہوئی چیزوں سے جو وضوء کا حکم ہے وہ یہی وضوء ہے۔ روایت اگرچہ متکلم فیہ ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس حدیث میں وضوء اصطلاحی مراد نہیں ۔"

ایسے ہی جمع الفوائد میں بروایت بزار نقل کیا ہے ۔ حضرت معاذ سے کسی نے پوچھا کہ تم آگ کی پکی ہوئی چیزوں سے وضوء کیا کرتے تھے انہوں نے فرمایا کہ ہاتھ منہ دھو لیتے تھے اور اس کو ہی وضوء سے تعبیر کیا کرتے تھے انہی روایات کی بنا پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ آگ کی پکی ہوئی چیزوں کے بارہ میں جہاں جہاں روایات حدیث میں وضو کا حکم آیا ہے اس سے یا وضوء لغوی مراد ہے یا وہ حکم منسوخ ہے ۔

اسی طرح حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ بعض اعضاء وضوء کو دھو کر یہ ارشاد فرمایا کہ ھذا وضوء من لم یحدث یہ اس شخص کا وضوء ہے جو پہلے سے باوضوء ہو، اب یقینی امر ہے کہ بعض اعضاء کے دھونے کو شرعی وضوء نہ کہا جائے گا، یہ مثال کے طور پر وہ مواضع گنوائے ہیں جہاں قطعاً وضوء اصطلاحی نہیں۔ جس سے یہ امر ظاہر کرنا ہے کہ لفظ وضوء اور ایسے ہی بعض دیگر الفاظ بھی معنی لغوی و اصطلاحی دونوں میں استعمال ہوتے ہیں، اب اختلاف کا سبب اس سے خود واضح ہو جائے گا کہ بسا اوقات ایسی صورت بھی پیش آئے گی کہ ایسے مواقع میں بعض نقل کرنے والے اس کو وضوء اصطلاحی پر حمل فرمائیں گے، وہ یقیناً توضیح کے لئے کو ضوءہ للصلوٰۃ کا لفظ بھی اضافہ کریں گے۔ تاکہ اشتباہ کا محمل نہ رہے اور سننے والے کو خلجان نہ ہو۔ اور اس کے بالمقابل جس شخص کی تحقیق کے موافق یہ وضوء اصطلاحی نہیں بلکہ لغوی ہے وہ یقیناً اس ہاتھ منہ دھونے کی ساتھ نقل کرے گا۔ اسی خیال سے کہ سننے والے کو اشتباہ نہ ہو اور حدیث کے ساتھ اس کی تفسیر بھی ہو جاوے اب اس جگہ اختلاف

روایات بھی لابدی ہو گیا اور اس کی وجہ سے اختلاف صحابہ اور تابعین اور اس کے بعد اختلاف فقہاء بھی لازمی ہو گیا۔ یہی وجہ ہوئی کہ اول زمانہ میں آگ کی پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضوء کا واجب ہونا مختلف فیہ رہا لیکن آخیر دور میں اکر ائمہ کے زمانہ میں چونکہ روایات وضوء کے نہ توڑنے والی زیادہ تھیں اس لئے عدم وجوب کو ترجیح ہو گئی اور ائمہ اربعہ کا وضوء نہ ٹوٹنے پر اتفاق ہو گیا۔ لیکن سینکڑوں مسئلے ایسے ہیں کہ جن میں اس اختلاف کی وجہ سے ائمہ متبوعین اور اہل مذاہب میں اختلاف باقی رہا مثلاً مس ذکر کی وجہ سے وضوء کا حکم۔ حضور کا ارشاد ہے من مس ذکرہ فلیتوضاء جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے اس کو چاہیئے کہ وضوء کرے صحابہ تابعین اور ائمہ متبوعین اس میں مختلف ہیں کہ اس وضوء سے کونسی وضوء مراد ہے بعض کی رائے ہے کہ وضوء اصطلاحی مراد ہے اور بعض کی تحقیق ہے کہ وضوء لغوی مراد ہے ایسے ہی دوسرا اختلاف اسمیں یہ پیش آیا کہ بعض کے نزدیک چھونے کا لفظ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے مطلقاً ہاتھ لگانا مراد ہے دوسرے بعض کا خیال ہے کہ اس جگہ مس سے جس کے معنی چھونے کے ہیں پیشاب کرنا مراد ہے اس لئے کہ اس کے بعد میں استنجا سکھانے کے لئے ہاتھ سے چھویا جاتا ہے۔ اسی طرح وضوء کے حکم میں بھی اختلاف لازمی تھا اور ہوا کہ بعض حضرات نے اس کو وجوب پر حمل فرمایا اور ضروری خیال کیا چنانچہ وضوء کو واجب قرار دے دیا اور دوسرے بعض حضرات نے افضلیت اور استحباب پر حمل فرمایا کہ وضوء کو مستحب قرار دیا جس کو ہم اٹھویں نمبر پر ہم وضاحت سے بیان کریں گے اسی ہی قبیل سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ نماز کے سامنے کو عورت کتا اور گدھے کے گذرنے سے نماز قطع ہو جاتی ہے بعض سننے والوں نے اس کو اپنے ظاہر پر رکھا اور نماز قطع ہونے سے نماز کا حقیقتہً فاسد ہو جانا سمجھا اور ان کے نزدیک نماز فاسد ہو گئی۔ لیکن دوسرے بعض صحابہ اور اہل فقاہت لوگوں کی رائے ہے کہ نماز کے فساد کو ان چیزوں

سے کوئی خاص تعلق نہیں اس لئے یقیناً اس کے حقیقی معنیٰ مراد نہیں بلکہ نماز قطع ہو جانے سے نماز کا خشوع قطع ہو جانا مراد ہے اس کے لئے ایک دو نہیں متعدد قرائن موجود ہیں جو اپنے اپنے مواقع پر مذکور ہیں۔ اختصاراً ہم نے ترک کر دیا۔

اختلاف روایات کی آٹھویں وجہ

جو ساتویں وجہ کے قریب ہے جس کی طرف اجمالاً اشارہ بھی گذر چکا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا یا کسی کام کی ممانعت فرمائی حکم ہر زبان میں مختلف الانواع ہوتا ہی ہے۔ بعض سننے والوں نے اس کو قطعی اور واجب الاطاعت قرار دیا ان کے نزدیک اس کام کا کرنا واجب اور ضروری بن گیا دوسرے بعض نے اس کو بہتری اور افضلیت کے لئے سمجھا۔ اور تیسری جماعت نے مثلاً صرف اجازت کا درجہ سمجھا۔ اسی قبیل سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وضو کے ساتھ ناک میں پانی ڈالنے کے بارہ میں ہیں کہ ایک جماعت نے ظاہر حکم کے لحاظ سے اس کو واجب قرار دیا۔ اور دوسرے گروہ نے اور قرائن کی وجہ سے اس کو افضلیت اور استحباب پر محمول فرمایا۔ ایسے ہی سو کر اٹھنے کے بعد وضو سے قبل ہاتھ دھونے کا حکم ایک گروہ کے نزدیک اپنے ظاہر پر ہے اور ہاتھ دھونا اس وقت واجب ہے دوسری جماعت کے نزدیک استحباب و سنیت کا درجہ ہے اور در حقیقت وجہ اختلاف زیادہ طویل البحث ہے اور اسکے رفع کے لئے بجز مجتہد اور فقیہ کے چارہ کار ہی نہیں اس لئے کہ مجرد حکم سامنے ہونے کی صورت میں ہر شخص مجبور ہے کہ اور اوامر اور دوسرے احکامات کو دیکھ کر یہ رائے قائم کرے کہ یہ حکم کس درجہ کا ہے۔

اگر ایک حدیث میں التحیات میں بیٹھنے پر تشہد پڑھنے کا حکم ہے تو دوسری حدیث میں اقتلوا الاسودین فی الصلوٰۃ الحیۃ و العقرب نماز میں دو

چیز سانپ اور بچھو کے قتل کرنے کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں حکم ایک درجہ کے نہیں اور اس ہی بنا پر خود ائمہ مجتہدین میں اس موقع پر زیادہ اختلاف ہوا ہے کہ یہ امر وجوب کے لئے ہے یا استحباب و افضلیت کے لئے۔ اس ہی وجہ سے ائمہ میں اختلاف ہے کہ نماز میں تکبیرات انتقالات کا حکم رکوع و سجود میں اطمینان کا حکم۔ نیز ان میں تسبیحات کا حکم التحیات پڑھنے کا حکم یہ سب احکام وجوب کے لئے ہیں یا استحباب و افضلیت کے لئے ہر مجتہد نے رحمہم اللہ تعالیٰ نہایت جانفشانی اور عرق ریزی سے دوسری روایات حضورؐ کے افعال صحابہؓ کے افعال اور اصول ترجیح کو مدنظر رکھتے ہوئے ان میں تفریق فرمائی۔ اور ہر حکم کو اپنی تحقیق کے بعد اس کے موقعہ پر چسپاں کیا۔ یہاں محسوس ہوتا ہے کہ مجتہد کی کیوں ضرورت پیش آتی ہے اور تقلید بغیر کیوں چارہ نہیں۔ صرف بخاری شریف کے ترجمہ میں کسی کام کے کرنے کا حکم دیکھ لینے سے نہ وجوب معلوم ہو سکتا ہے نہ استحباب و جواز۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے حدیث پڑھنے کے لئے اصول فقہ اصول حدیث پہلے پڑھنا ضروری قرار دیا ہے کہ مجتہد کے لئے کم از کم علم قرآن یعنی اس کے احکام خاص عام مجمل مفسر محکم مؤول ناسخ منسوخ وغیرہ وغیرہ کو جانے اور علم حدیث سے کماحقہٗ واقف ہو کر روایت کے مراتب متواتر غیر متواتر مرسل و متصل صحیح و معلل وضعیف قوی نیز رواۃ کے درجات کو جانتا ہو اس کے علاوہ لغات کا ماہر احکام نحویہ سے واقف ہو نیز اقوال صحابہ و تابعین سے واقف ہو کہ کس مضمون پر اجماع ہے اور کس میں اختلاف ان سب کے بعد قیاس کے انواع و اقسام سے بھی واقف ہو۔

اختلاف روایات کی نویں وجہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربار گوہر بار سے بسا اوقات بعض احکام

تشحیذ اً للاذہان یعنی غور و فکر کے لئے صادر ہوتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ٹخنوں سے نیچے لنگی لٹکائے نماز پڑھتے دیکھا تو آپؐ نے وضو اور نماز کے اعادہ کا حکم فرمایا۔ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بُری طرح جلدی جلدی نماز پڑھی حضورؐ نے فرمایا کہ جاؤ ہٹ کر نماز پڑھو تمہاری نماز نہیں ہوئی وہ دوبارہ نماز پڑھ کر حاضر ہوئے حضور نے پھر یہی ارشاد فرمایا۔ تیسری دفعہ کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ مجھے سمجھا دیجئے میری سمجھ میں نہیں آیا۔ تو آپؐ نے اطمینان سے نماز پڑھنے کا طریقہ بتلایا۔ ایسے مواقع میں بھی اختلاف لازمی ہے کہ ہر سننے والا اس کو اپنے ہی محل پر چسپاں کرے یہ ضروری نہیں اس کی جزئیات اگرچہ زیادہ نہ ہوں لیکن اسباب اختلاف میں دخیل ضرور ہیں۔

اختلاف روایات کی دسویں وجہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر امت کے لیے نبی مرسل تھے تو خدام کے لئے طبیب جسمانی اور عشاق کے لئے طبیب روحانی اور رعایا کے لئے امیر بھی تھے اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ماں باپ سے زیادہ شفیق و مہربان تھے تو استاد و شیخ سے زیادہ تربیت و تہذیب فرمانے والے تھے اگر شفقت کے باب سے سینکڑوں احکام ملتے ہیں تو تشدید و تنبیہ کے طور پر بھی بہت سے ارشادات ملیں گے۔ یہ ایسے امور ہیں کہ جن میں ذرا بھی شائبہ اشکال و شبہ نہیں اس کی بداہت ہر شخص پر ظاہر ہے۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر اوامر و ارشادات جو ایک حیثیت سے وارد تھے دوسری حیثیت کے ساتھ ملتبس ہو جانے لازمی تھے اگرچہ یہ امور ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو مستقل وجہ قرار دے کر اس کو علیحدہ پیش کیا جاتا مگر مضمون بلا ارادہ طول پکڑتا جا رہا ہے گو اس کی اہمیت اس سے زیادہ تفصیل کی محتاج ہے۔ مگر ناظرین کی بددلی کے

خیال ہے جو طول کا اکثری نتیجہ ہوتا ہے ان سب وجوہ کو ایک ہی میں داخل کر دیا گیا ہے اختصار کے علاوہ چند امثلہ پر اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مستحاضہ یعنی جس عورت کو تسلسل خون کا عارضہ ہو حضور نے اس کے بارہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ظہر عصر کے لئے ایک غسل کرے اور مغرب عشاء کے لئے دوسرا اور صبح کے لئے تیسرا۔ علماء کا اختلاف ہے کہ یہ غسل تشریعی ہے یا علاجی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرمگاہ کے چھونے پر وضوء کا بھی حکم ہے اور یہ بھی ارشاد ہے کہ وہ تو ایسے ہی گوشت کا جزء ہے جیسے اور اجزائے بدن، جسطرح اور کسی عضو کے چھونے سے وضوء واجب نہیں ہوتا اسی طرح یہ بھی ہے علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ یہ حکم عامۃ مسلمین کے لئے ہے۔ اور پہلا حکم خاص ہے اکابر امت کے لئے اسی طرح بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے چھونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے دوسری بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وضوء نہیں ٹوٹتا علماء کے اس میں بھی مختلف اقوال ہیں اور مختلف وجوہ سے ان دونوں میں ترجیح یا جمع کیا گیا ہے علامہ شعرانی کی رائے یہاں بھی وہی ہے کہ ایک حکم اکابر امت کے لئے دوسرا عوام کے لئے ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جنگ میں ارشاد ہے (من قتل قتیلا فله سلبه) جو کسی کافر کو قتل کر دے اس مقتول کے پاس جسقدر سامان ہے وہ اس قاتل کو مل جائے گا۔ ائمہ کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ حکم سیاسی اور انتظامی ہے حضور نے بحیثیت بادشاہ کے یہ حکم فرمایا تھا لہٰذا امیر کو یہ اختیار ہے کہ جس جنگ میں مصلحت سمجھے اس کا اعلان کر دے دوسرے ایک گروہ کی رائے ہے کہ یہ حکم تشریعی ہے ہمیشہ کے لئے معمول بہ ہے امیر کے کہنے پر موقوف نہیں کتاب الجہاد کی ہزاروں حدیثیں اس اختلاف کی امثلہ سے پر ہیں۔ ایسے ہی مزارعت کے بارہ میں اکثر روایات میں ممانعت کی وجہ مزدوروں پر شفقت ہے جو روایات دیکھنے والوں پر ظاہر ہے، اسی طرح باب الصوم میں بہت سے لوگوں کو کثرت سے روزہ رکھنے کی ممانعت ان پر شفقت سے تھی عبد اللہ

بن عمرو کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا مجھے اس کی اطلاع ملی ہے کہ تم ہمیشہ دن بھر روزہ رکھتے ہو
اور رات بھر نفلیں پڑھتے ہو انہوں نے عرض کیا کہ بیشک حضورؐ نے فرمایا ایسا نہیں
کرو کبھی روزہ کبھی افطار ایسے ہی رات کے بعض حصہ میں نوافل ادا کرو اور کچھ
حصہ سو بھی رہا کرو۔ اس لئے کہ بدن کا بھی تم پر حق ہے۔ اس صورت میں تکان
نہیں ہوگا اہل وعیال کا بھی حق ہے کہ ان کے لئے بھی کچھ وقت دن رات کا فارغ
کرنا چاہیئے دوست احباب ملاقات کرنے والوں کا بھی حق ہے ہر مہینہ میں تین
روزے ایک ماہ میں ایک ختم قرآن کافی ہے میں نے عرض کیا حضور اس سے تو بہت
زیادہ طاقت ہے مکرر سہ کرر عرض کرنے پر ارشاد فرمایا کہ اچھا بس صوم داؤدی
سے زیادہ کی اجازت نہیں کہ ایک دن روزہ ایک دن افطار اسی طرح قرآن شریف
کہ سات راتوں سے کم میں ختم کی اجازت نہیں فرمائی۔ اس روایت کے الفاظ کتب
حدیث میں کچھ مختلف وارد ہوتے ہیں اس حدیث کے موافق جس کو مشکوٰۃ میں بخاری
مسلم کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے دائماً روزہ کی ممانعت اور ابتداً اسی طرح صوم داؤدی
پر زیادہ کی ممانعت آخر حدیث میں ان پر شفقت کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے اسی لئے
عبداللہ بن عمرو اپنے ضعف وپیری کے زمانہ میں افسوس کیا کرتے تھے کہ اسوقت میں
حضور کی رخصت کو قبول کرتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ اسی طرح تنبیہ وتشدد کے قبیل
سے بہت سے ارشادات کتب حدیث میں ملتے ہیں حضور کا ارشاد ہے کہ لا
صام من صام الدهر جو عمر بھر روزہ رکھتا ہے اس کا کچھ روزہ نہیں۔ ایک
جماعت کے نزدیک یہ ارشاد تنبیہ اور ڈانٹ کے طور پر ہے یہ مطلب نہیں کہ
اس کو روزہ کا ثواب نہیں ہوگا۔ یا اس کا روزہ ہی سرے سے نہ ہوگا۔ اسی طرح
حضورؐ کا ارشاد کہ زانی زنا کے وقت مومن نہیں ہوتا اور سارق سرقہ کے وقت
مومن نہیں ہوتا۔ اسی طرح حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شراب پیوے چالیس دن تک
اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ (تلك عشرة كاملة)

مثال کے طور پر یہ چند وجوہ بیان کی گئی ہیں ورنہ ان میں انحصار نہیں صرف اس امر کو ظاہر کرنا تھا کہ روایات میں اختلاف کی حقیقۃ وجوہ ایسی ہیں کہ جن کی وجہ سے اختلاف لازمی تھا اور ہونا چاہیئے ہی تھا وجوہ اختلاف نہ کسی مختصر تحریر میں آسکتی ہیں نہ مجھ سے بے بضاعت کے امکان میں ان کا انحصار ہے مقصود ان اوراق سے اجمالاً حاصل ہو گیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ارشادات کا اختلاف فی الواقع موجب ہے اور اس کے وجوہ کثیرہ میں سے مثال کے طور پر یہ چند وجوہ ہیں جو ذکر کر دی گئیں اسکے بعد مجھے یہ دکھلانا ہے کہ دوسرے دور میں یعنی صحابہؓ کے زمانہ میں ان وجوہ بالا کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی وجوہ پیش آئیں کہ ان کے لئے اختلاف روایات لازمی تھا۔ اور مثال کے طور پر اس کی بھی چند نظیریں ہدیۂ ناظرین کرنی ہیں مگر اس جگہ پر ایک فضول اشکال پیش آتا ہے۔ اس لئے اول اس کو ذکر کرتا ہوں اس کے بعد دوسرا دور شروع کروں گا۔

یہاں ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ تعلیم امت ہی کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور یہی بڑی غرض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے وابستہ تھی۔ تو آپ نے جملہ احکام شرعیہ کو مفصل و واضح ممتاز حالت میں کیوں نہ ارشاد فرما دیا جس سے یہ الجھن ہی یکسر اٹھ جاتی اور کسی قسم کی خلش ہی باقی نہ رہتی ، ظاہری صورت میں تو یہ اشکال بہت ہی واضح ہے لیکن حقیقت میں نہایت ہی مہمل خدشہ ہے جو احکام شرعیہ پر قلت نظر سے وارد ہوتا ہے اور فی الواقع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمت کے حال پر نہایت درجہ کرم اور شفقت تھی کہ ان معمولی فروعی مسائل کا ایسا انضباط نہیں فرمایا۔ کہ جن کی وجہ سے اُمت کو تنگی پیش آئے بلکہ احکام دینیہ کو دو حصوں پر منقسم فرما دیا ایک وہ احکام ہیں کہ جن میں غور و خوض و بحث و مباحثہ غیر پسندیدہ قرار فرما دیا دوسرے وہ احکام ہیں جن میں اختلاف کو رحمت کا سبب قرار دیا اور سہولت

امت کے لئے ہر فعل کو خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو باعث اجر قرار دے دیا بشرطیکہ محض لاپرواہی سے غلط روی اختیار نہ کی ہو دوسرے الفاظ میں یہ سمجھنا چاہیئے کہ شریعت نے احکام کو دو طریقوں پر منقسم کر دیا ایک قطعی جن میں کرنے والوں کے فہم و سمجھ کو دخل نہیں رکھا جو واضح الفاظ میں بیان فرما دیئے اور ان میں توجیہہ و تاویل کی بھی گنجائش نہیں رکھی۔ تاویل سے بھی انحراف کرنے والے کو خاطی و گمراہ قرار دیا۔ دوسرے وہ احکام ہیں جن میں شریعت نے تنگی نہیں فرمائی بلکہ اس میں امت کے ضعف پر نظر فرماتے ہوئے اُمت کی سہولت کو مدنظر رکھا اور اس میں توجیہہ تاویل کی وجہ سے عمل نہ کرنے والوں کو خاطی اور بددین سے تعبیر نہیں فرمایا۔ قسم اول کو اعتقادیات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قسم ثانی کو جزئیات فرعیات شرعیات وغیرہ وغیرہ اسماء سے پکارا جاتا ہے اس دوسری نوع میں حقیقۃ الامر یہ ہے کہ شریعت نے اس میں خود ہی تنگی نہیں فرمائی۔ اس لیئے اس کو تفصیل کے ساتھ کہ ارکان و واجبات وغیرہ خود شارع کی جانب سے ممیز و مفصّل ہو جاتے تو یہ بھی نوع اول میں داخل ہو کر اُمت کے لئے سخت تنگی کا سبب ہو جاتا اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت بھی اختلاف سے خلو مشکل ہوتا۔ اسلیئے کہ وہ حقائق سب کے سب الفاظ ہی کے ذریعہ سے ارشاد فرمائی جاتیں۔ اور الفاظ میں پھر مختلف محامل نکلنا قریب تھا۔ الغرض شریعت مطہرہ نے احکام کو اصول و فروع دو امر میں منقسم فرما کر امر اول میں اختلاف کی سختی سے ممانعت فرما دی چنانچہ آیت مقدسہ شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا و ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ الآیۃ میں اختلاف فی الدین کی ممانعت ہے اور قسم دوم میں اختلاف کو امت کے لئے رحمت کا سبب قرار دیا اور اسی وجہ سے اس نوع کے اختلافات میں جس کے سینکڑوں واقعات نبوی دور مقدس میں گذرتے ہیں التشدد نہیں فرمایا امثلہ کے طور پر دو واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہوں کہ نسائی نے طارق کے واسطے سے دو صحابہ کا قصہ نقل فرمایا کہ وہ دونوں جنبی ہوئے ان میں سے

ایک نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے نماز نہیں پڑھی (غالباً تیمم کا نزول اس وقت نہیں ہوا ہوگا۔ یا ان کو نہیں پہنچا ہوگا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصویب فرمائی۔ دوسرے صحابی نے تیمم سے نماز ادا فرمائی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بھی تصویب فرمائی۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو قبیلہ بنو قریظہ میں نماز عصر پڑھنے کا حکم فرمایا اس پر عمل کرنے والوں میں سے بعض نے وہاں عصر پڑھنے کے حکم کو اصل قرار دیا اور راستہ میں نماز نہ پڑھی اگرچہ نماز کو تاخیر ہوئی مگر ان لوگوں نے ظاہری امتثال امر کو ضروری خیال فرمایا۔ دوسری جماعت نے اسی امر کا حقیقی مقصد بعجلت پہنچنا سمجھ کر راستہ میں عصر کی نماز اپنے وقت پر ادا فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریق پر اعتراض نہیں فرمایا، بخاری میں یہ مفصل قصہ موجود ہے اسی طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں بالجملہ فرعی اختلاف اور چیز ہے اور اصولی اختلاف اور ہے جو لوگ اس اختلاف اصولی اختلاف کے مشابہ سمجھ کر ایسی روایات و آیات کو اس پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں جو اختلاف مذموم کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں وہ ان کی ناواقفیت یا دھوکہ دہی ہے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ شریعت مطہرہ نے اس فرعی اختلاف میں بڑی وسعت و سہولت رکھی ہے اگر یہ صورت نہ ہوتی تو امت کے لئے اس قدر تنگی پیش آجاتی کہ تحمل سے باہر ہو جاتا۔ اسی وجہ سے ہارون رشید نے جب بھی امام مالک سے یہ درخواست کی کہ وہ موطا امام مالک کو بیت اللہ شریف پر لٹکا کر امت کو اس پر عمل کا امر کر دیں تاکہ افتراق نہ رہے تو امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی بھی اس کو قبول نہیں فرمایا اور ہمیشہ یہی جواب دیا کہ صحابہ مسائل فرعیہ میں مختلف ہیں اور وہ سب مسیب ہیں بلاد متفرقہ میں دونوں کے اقوال و مسالک معمول بہا ہیں ان کو رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ایسے ہی جب منصور نے حج کیا اور امام مالک سے درخواست کی کہ آپ اپنی مؤلفات مجھے دیجئے تاکہ میں ان کی نقلیں بلاد اسلامیہ میں شائع کر دوں۔ اور مسلمانوں کو حکم کر دوں کہ ان سے متجاوز نہ ہوں تو آپ نے فرمایا!

کہ امیر المؤمنین ایسا ہرگز نہ کیجئے لوگوں کے پاس احادیث و اقوالِ صحابہ پہنچے ہوئے ہیں وہ ان پر عامل ہیں ان کو اسی کے موافق عمل کرنے دیجئے یہی منشا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ میری امت کا اختلاف رحمت کا سبب ہے اور یہی وہ کھلی رحمت ہے جو آنکھوں سے نظر آتی ہے آج ہر امام کے نزدیک مختلف فیہ مسائل میں دوسرے کے مذہب پر شرعی ضرورت کی وجہ سے فتویٰ دینا جائز ہے لیکن اگر یہ اختلاف نہ ہوتا تو کسی ضرورت سے بھی اجماعی اور متفق علیہ مسئلہ کو چھوڑنا جائز نہ ہوتا۔ غرض حقیقۃً میں اختلاف آئمہ شرعاً مطلوب ہے جس میں ایک ہی فائدہ نہیں جو مذکور ہوا اس کے علاوہ بھی بہت سے فوائد مستتر ہیں جو اگر وقت نے مساعدت کی تو انشاء اللہ دورِ ثالث کے ابحاث میں آئیں گے اس وقت یہ بحث مقصود نہیں یہاں صرف اسی قدر ضروری تھا جن لوگوں کی مسائل فقہیہ پر کچھ بھی نظر ہے وہ اس مفاد کو بہت ہی سہولت سے سمجھ سکتے ہیں،

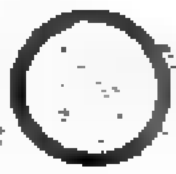
علامہ شعرانی اپنی کتاب المیزان میں تحریر فرماتے ہیں کہ عزیز من اگر تو بنظرِ انصاف دیکھے گا تو یہ حقیقت واضح اور منکشف ہو جاوے گی کہ ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین سب کے سب طریق ہدایت پر ہیں اور اس کے بعد کسی امام کے کسی مقلد پر بھی اعتراض کا خیال نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ امر ذہن نشین ہو جاوے گا کہ آئمہ اربعہ کے مسالک شریعت مطہرہ میں داخل ہیں اور ان کے مختلف اقوال امت کے لئے رحمت ہو کر نازل ہوئے حق تعالیٰ شانہ جو علیم و حکیم ہیں ان کی مصلحت اسی امر کو مقتضی تھی حق سبحانہ تعالیٰ اگر اس کو پسند نہ فرماتے تو اس کو بھی اسی طرح حرام قرار دیتے جس طرح کہ اصل دین میں اختلاف کو ممنوع قرار دیا۔ عزیز من مبادا تجھ پر یہ امر مشتبہ ہو جاوے کہ تو ائمہ کے فرعی اختلاف کو اصولی اختلاف کے مشابہ اور اس کے حکم میں سمجھنے لگے جس کی وجہ سے تیرا قدم میدان ہلاکت میں پڑ جاوے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے لئے اختلاف فرعی کو رحمت قرار دیا ہے۔

درحقیقت ائمہ کے جملہ اقوال مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں صرف اختلاف اور فرق ائمہ کے اقوال میں اتنا ہے کہ کسی حکم شرعی کے متعلق ایک امام نے اصل حکم اور عزیمت کو اختیار کیا دوسرے نے رخصت کو راجح سمجھا اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ائمہ کے اقوال میں تخییر کا قائل ہوں کہ جس شخص کا دل چاہے اصل عزیمت پر عمل کر لے اور جس کا دل چاہے رخصت کو اختیار کر لے جیسا کہ بعض طلباء کو میرے کلام سے دھوکا ہو گیا نہیں نہیں ایسا نہیں کہ یہ تو دین کو کھلونا بنانا ہے بلکہ ہر امام نے ان دو طریقوں میں سے ایک کو اختیار کیا ہے لیکن جو مختار ہے وہ اس کے مقلدین کے لئے وجوبی طریقہ ہے۔ میں نے یہ جو کچھ رائے قائم کی ہے ائمہ کے ساتھ محض حسن ظن پر قائم نہیں کرلی بلکہ ہر امام کے اقوال اور ان کے ماخذ اور مستدلات کے تتبع کے بعد اختیار کی ہے جس شخص کو اس کا یقین نہ آوے وہ میری کتاب المنہج المبین فی ادلۃ المجتہدین دیکھے اس وقت اس کو میری تصدیق ہو جاوے گی میں نے اس میں ہر امام کے مستدلات کو جمع کیا ہے۔ اور اس کے بعد یہ رائے قائم کی ہے وہ سب ہدایت پر تھے۔ اور اصل حقیقت یہ ہے کہ جب تک کسی شیخ کامل کی فیض صحبت سے منازل سلوک طے نہ کئے جاویں یہ حقیقت کما حقہ، منکشف نہیں ہوتی پس اگر تو بھی اس کا مزہ چکھنا چاہے تو کسی کامل کے پاس جا کر ریاضت کر تا کہ اس کی حقیقت واضح ہو جائے۔ میں اس امر میں کچھ من گھڑت نہیں کہتا مشائخ کے کلام سے اس کی تائید ہے۔ چنانچہ شیخ المشائخ محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ:

آدمی جب کسی خاص مذہب کا پابند ہو کر مقامات میں ترقی کرتا ہے تو منتہا پر وہ ایسے دریا پر پہنچتا ہے جس سے سب ائمہ بھر رہے ہیں اس وقت اس کو جملہ ائمہ کے مذاہب حق ہونے کا یقین ہو جاتا ہے اور اس کی مثال بعینہٖ رسل کی سی ہے کہ حضرت وحی کا مشاہدہ ہوتا ہے اس وقت تمام شرائع کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ انتہی ملخصاً۔

علامہ شعرانی کا یہ نفیس مضمون جو تقریباً سو صفحہ پر ختم ہوا ہے آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے درحقیقت اس مقصد میں بے حد نافع اور مفید تمام مضمون مستقل ترجمہ کر کے شائع ہونے کے قابل ہے۔

مجھے اس جگہ پر اشارۃً صرف اس قدر بیان کرنا مقصود ہے کہ درحقیقت یہ اختلاف ائمہ جو بادی الرائے میں افتراق معلوم ہوتا ہے حقیقتاً افتراق نہیں اور جس درجہ میں ہے اس میں رہنا ایک نہایت ہی لابدی امر ہے جس کا عدم بھی امت کے لئے سخت تنگی کا سبب ہے۔ اور چونکہ اختلاف ثمرہ ہے اختلاف روایات واحادیث کا اس لئے ان میں بھی دینی مصلحت اسی کی مقتضی تھی کہ ان کو اجمالی حالت میں آثار احادیث اگر وہ حقائق شرعیہ عقائد کی طرف سے قطعی طور پر نازل کئے جاتے تو اختلاف ائمہ کی گنجائش نہ رہتی۔ اور اس وقت اختلاف گمراہی کا سبب ہوتا اور عدم اختلاف امت کے لئے تنگی کا باعث ہوتا لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہر شخص اپنی اپنی سمجھ کے موافق نصوص سے استنباط اور اخذ کرے خواہ اس کی قابلیت رکھتا ہو یا نہیں اگر یہ سخت گمراہی کا سبب بن جاتا ہے اور یہ اختلاف بھی ممدوح نہیں بلکہ ممدوح اختلاف وہی ہے جو شرعی قواعد اصول کے ماتحت ہو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل جنابت کے قصہ میں محض اپنی سمجھ کے موافق استنباط کرنے والوں کو جہل سے تعبیر فرمایا ہے فللہ الحمد علی ما یسر لنا الدین فانہ لطیف خبیر رؤف بعبادہ بصیر۔



اختلاف روایات کا دوسرا دور

ان وجوہ کے علاوہ جو دور اول میں گذر چکے ہیں صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں اور بھی مخصوص وجوہ و اسباب ایسے پیش آئے کہ جن کی وجہ سے روایات حدیث میں

اختلاف ہوا اور ہونا لازمی تھا جس کی بڑی وجہ روایات بالمعنی تھی یعنی صحابہ اور تابعین کے ابتدائی دور میں روایت باللفظ کا اہتمام نہیں تھا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو اپنے الفاظ میں نقل کر دیا جاتا تھا کما فی مصنف عبد الرزاق عن ابن سیرین قال کنت اسمع الحدیث من عشرۃ کلھم مختلف فی اللفظ والمعنی واحد ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے ایک ہی حدیث کو دس مشائخ سے سنا جس کو ہر ایک نے مختلف الفاظ سے روایت کیا اور معنی ایک تھے علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں ابو حاتم کا یہ مقولہ نقل کرتے ہیں۔ ولم ار من المحدثین من یحفظ ویاتی بالحدیث علی لفظ واحد لا یغیرہ سوی قبیصۃ یعنی قبیصہ کے سوا میں نے کسی محدث کو ایسا نہیں پایا کہ وہ الفاظ حدیث کو بعینہٖ ذکر کر دے۔

علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں اس بحث کو مفصل لکھا ہے جس میں علمأ کے فن کا اختلاف بھی اس بارہ میں نقل کیا ہے کہ روایت بالمعنی جائز ہے یا نہیں لیکن ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ ان شرائط کے ساتھ جو روایت کرنے والے کے اندر موجود ہونی ضروری ہیں روایات بالمعنی جائز ہے طبرانی اور ابن مندہ کی ایک حدیث سے اس کے جواز پر استدلال کیا ہے جس میں عبد اللہ بن سلیمان کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ استفسار نقل کیا ہے کہ میں جن الفاظ کو حضور سے سنتا ہوں اس کے بعینہٖ نقل پر قادر نہیں ہوں حضورؐ نے اگر معنی پورے ہو جاویں تو لفظ بدلنے کی صورت میں روایات کی اجازت فرمائی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ پورے لفظ یاد رہنے بھی مشکل ہیں اسی وجہ سے مکحول نے جب واثلہ بن الاسقع سے یہ درخواست کی کہ مجھے کوئی ایسی حدیث سنادیں جو آپ نے حضورؐ سے سنی ہو اور اس میں کسی قسم کا وہم کسی قسم کی کمی زیادتی بھول چوک نہ ہوئی ہو

تو انہوں نے پوچھا کہ تم میں سے کوئی قرآن شریف پڑھا ہوا ہے مکحول نے عرض کیا کہ ایسے جید حافظ نہیں کہ کوئی غلطی واقع نہ ہو ابن یزید نے فرمایا کہ کلام اللہ شریف جو تم لوگوں کے پاس لکھا ہوا محفوظ ہے غایت درجہ اس کے الفاظ کے حفظ کا اہتمام کیا جاتا ہے اس میں بھی "واؤ اور فا" کی غلطی رہ جاتی ہے پھر حدیث نبوی اس طریق پر کس طرح سُنائی جاسکتی ہے حالانکہ بعض احادیث کو ایک ہی مرتبہ سُننے کی نوبت آئی ہے روایت حدیث میں معانی نبویہ کا ادا ہو جانا ہی کافی سمجھا کرو۔

وکیع سے منقول ہے کہ اگر معنی ادا ہو جانے میں وسعت نہ دی جاتی تو اُمت ہلاک ہو جاتی۔ ابن العربی کی رائے ہے کہ روایت بالمعنی صرف صحابہ ہی کے لئے جائز ہے اور کسی کو جائز نہیں مگر قاسم بن محمد ابن سیرین حسن۔ زہری۔ ابراہیم شعبی وغیرہ جماعت نے اس کے جواز کو بشرائط مخصوصہ عام رکھا ہے۔ یہی اصل سر ہے اس امر میں کہ تابعین کی ایک بڑی جماعت روایت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت نہیں فرماتی تھی بلکہ مسئلہ کے طور پر اس حدیث کو حکم شرعی کے تحت میں بیان فرماتے تھے اور منجملہ اور وجوہ کثیرہ کے ایک بڑی وجہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت فرما کر بیان نہ کرنے کی یہ بھی ہے اور چونکہ الفاظ بدلنے کی صورت میں حضور کی طرف نسبت کر کے روایت کرنا سخت خطرناک ہے کہ مبادا غلطی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط انتساب کی وعید شدید میں دخول نہ ہو جاوے اس لئے اکابر علماء ہمیشہ حضور کی طرف نسبت سے بچتے تھے اس لئے کہ کسی قسم کا سہو غلطی یا غلط فہمی یا خطا کا اس میں دخل نہ ہو سکے یہ دشوار امر ہے۔ اسی وجہ سے عبداللہ بن مسعود جیسا جلیل القدر صحابی۔ وہ شخص جن کے بارے میں ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ ان کی حضور کے یہاں اس قدر آمد و رفت تھی

اگر ہم ان کو گھر والوں میں سے سمجھتے تھے وہ شخص جن کے لئے حضورؐ نے اپنے راز کی باتیں سننے کی بھی اجازت فرما رکھی تھی وہ شخص جن کو حضورؐ نے اپنی حیات میں بتدریس قرآن وحدیث کا مدرس بنایا، وہ شخص جن کے بارہ میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر میں بلا مشورہ کسی کو امیر بناتا تو ابن مسعود کو بناتا۔ وہ شخص جن کو حضور نے بلا روک ٹوک آنے کی اجازت دی رکھی تھی۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے علمی فضائل جس کثرت سے وارد ہیں وہ بہت کم عام طور سے دوسرے صحابہ کے ہوں گے، اسی وجہ سے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے فقہ کے لئے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کو خاص ماخذ قرار دیا جس کو ہم اپنے موقع پر انشاء اللہ وضاحت سے بیان کریں گے اس وقت یہ بتلانا ہے کہ ان کثرت فضائل اور کثرت علوم اور کثرت احادیث کے باوجود عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث کی نسبت حضور کی طرف بہت کم کیا کرتے تھے ابو عمرو شیبانی کہتے ہیں کہ میں ایک سال تک عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر رہا میں نے ان کو حضورؐ کی طرف نسبت کر کے حدیث فرماتے نہیں سنا اگر اتفاقاً کبھی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہدیتے تو بدن پر لرزہ ہو جاتا تھا حضرت انسؓ جو حضور کے خاص خادم رہے ہیں کہتے ہیں کہ اگر مجھے خطا اور غلطی کا ڈر نہ ہوتا تو میں ایسی بہت سی احادیث سناتا جو میں نے حضور سے سنی ہیں لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں میں داخل وعید نہ ہو جاؤں حضرت صہیب صحابی فرماتے ہیں کہ ان غزوات کے قصے جو حضور کی معیت میں ہوئے ہیں بیان کر دوں گا۔ لیکن اس طرح یہ کہ حضورؐ نے ایسا کہا یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا وغیرہ وغیرہ۔ بہت سے واقعات ہیں جن سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا حضورؐ کی طرف نسبت کر کے بیان نہ کرنا معلوم ہوتا ہے۔ انشاء اللہ ذرا بسط کے ساتھ اس جگہ نقل کروں گا جہاں امام صاحب رضی اللہ عنہ کی قلت حدیث پر بحث کرنی ہوگی اس

جگہ ان واقعات کے مجملاً ذکر سے اتنا مقصد ہے کہ روایت بلفظہٖ چونکہ مشکل تھی اس لئے روایت بالمعنیٰ نقل کی جاتی تھی اور اسی وجہ سے اجل صحابہ حضورؐ کی طرف نسبت کم فرماتے تھے اور جب روایات کا بالمعنیٰ ہونا ثابت ہو گیا تو اس کے لئے اختلاف لابدی اور ناگزیر ہے کہ تعبیرات مختلفہ سے روایت میں اختلاف ہوتا ہی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ کے وصال کے بعد جو خطبہ پڑھا اس میں احادیث نقل کرنے کی ممانعت فرمادی کہ یہ امت میں اختلاف کا سبب ہوگا۔

دور ثانی کی دوسری وجہ

صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں اختلاف روایات کی وجہ یہ بھی پیش آئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکم ارشاد فرمایا تھا اس وقت کے حضارؓ نے اس کو سنا اور سمجھا لیکن بعد میں وہ منسوخ ہو گیا۔ مگر اول مرتبہ کے حاضرین میں سے بعض لوگ اس وقت موجود نہیں تھے وہ اسی طرح نقل فرماتے رہے چنانچہ متعدد روایات سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ شریف پر مسح فرمانا معلوم ہوتا ہے لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مؤطا میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہمیں جہاں تک پہنچا ہے عمامہ پر مسح کرنا ابتداء اسلام میں تھا پھر یہ حکم باقی نہیں رہا ایسے ہی ابوسعید خدریؓ حضورؐ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ جمعہ کا غسل ہر بالغ شخص پر واجب ہے لیکن ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم ابتداء زمانہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ لوگ خود ہی محنت مزدوری کرتے تھے، تنگ حالی کی وجہ سے ملازم وغیرہ رکھنے کی ہمت نہیں تھی اور اون وغیرہ کے موٹے کپڑے پہنتے تھے تو محنت کے وقت پسینہ وغیرہ کی وجہ سے وہ سب بو دار ہو جاتے تھے اور نیز مسجد بھی تنگ تھی جس کی وجہ سے جب مسجد میں سب کا اجتماع ہوتا تھا تو پسینہ کی بو نمازیوں کے

لیے تکلیف دہ ہوتی تھی اس وجہ سے غسل اور خوشبو کے استعمال کا حکم فرمایا تھا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے وسعت فرمادی اور مسجد میں توسیع ہوگئی لہٰذا اب وہ حکم نہیں رہا۔ اسی قبیل سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایات ہیں جن سے آگ سے پکی ہوئی چیزوں سے وضو ٹوٹنا معلوم ہوتا ہے لیکن حضرت جابرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل آگ کی پکی ہوئی چیزوں سے وضو نہ فرمانا تھا۔ یہ صاف طور پر بتلا رہا ہے کہ وضو کا حکم منسوخ ہے لیکن امام ابوداؤدؒ کے نزدیک حضرت جابرؓ کی حدیث کا یہ مطلب نہیں اسی وجہ سے ہم ایک جگہ دوسرا قول بھی نقل کر چکے ہیں جن کے نزدیک آگ سے پکی ہوئی چیزوں میں وضو سے مراد وضوء لغوی یعنی ہاتھ منہ دھونا ہے نہ کہ مصطلح وضوء۔

دوریائی کی تیسری وجہ "سہو"

اس پر علما کا اجماع ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں یعنی معتبر راوی ہیں۔ ان کی جرح اور تضعیف نہیں کی جاسکتی چنانچہ اصابہ میں اہل سنت کا اس پر اجماع نقل کیا ہے لیکن سہو ونسیان وغیرہ لوازمات بشریہ سب کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، اس لئے نقل میں سہو ہوجانا بھی ممکن ہے اور اسی وجہ سے روایت پر عمل کرنے والے کے لئے منجملہ اور ضروریات کے یہ بھی اہم ہے کہ اس روایت کو اسی نوع کی دوسری روایات سے ملا کر دیکھیں کہ ان کے مخالف تو نہیں، اگر مخالف ہے تو وجہ مخالفت کی تنقیح کرے اس نوع کی امثلہ کتب حدیث میں سینکڑوں ملیں گی۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب میں عمرہ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب اس امر کو سنا تو فرمایا کہ ابن عمر بھول گئے۔ حضورؐ نے کوئی عمرہ رجب میں نہیں کیا۔ عمران بن حصینؓ کا مقولہ میں پہلے نقل کر چکا ہوں وہ فرماتے ہیں کہ واللہ مجھے

اس قدر احادیث یاد ہیں کہ اگر دو روز تک برابر روایت کر دوں تو کر سکتا ہوں مگر یہ امر مانع ہے کہ اور صحابہ نے بھی میری طرح سے احادیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا اور آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے لیکن پھر بھی روایت میں غلطی کرتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ دیدہ دانستہ جھوٹ نہیں بولتے اگر میں بھی روایت کر دوں تو خوف ہے کہ ان میں نہ داخل ہو جاؤں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی شخص حدیث سنتے تو اس کو قسم دیتے کہ اسی طرح سنی ہے۔ اسی وجہ سے مشائخ فن نے ہر شخص کو عمل بالحدیث سے روکا ہے تا وقتیکہ اس میں یہ صلاحیت پیدا نہ ہو جائے کہ صحیح کو سقیم سے صواب کو خطا سے واقعی کو غلط سے ممتاز کرنے کی صلاحیت نہ ہو اسی کے قریب اختلاف روایات کی ایک وجہ اختلاف ضبط ہے کہ نقل کرنے والوں سے واقعہ کے نقل کرنے میں کچھ گڑبڑ ہو گئی یہ کچھ مستبعد بات نہیں بعض اوقات بڑے سے بڑے فہیم عاقل سے بات کے سمجھنے میں نقل کرنے میں تعبیر کرنے میں گڑبڑ ہو جاتی ہے چنانچہ میں پہلے نقل کر چکا ہوں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقولہ نقل فرماتے ہیں کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث پر جرح فرماتی ہیں کہ واقعہ کے نقل کرنے میں غلطی ہوئی۔ اصل قصہ اس طرح ہوا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک یہودی عورت پر ہوا جو مر چکی تھی اور اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ رو رہے ہیں اور وہ عذابِ قبر میں مبتلا ہے۔ تو حضرت عائشہؓ کے خیال کے موافق ان کے رونے کو اس کے عذاب میں کوئی دخل نہیں تھا، اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ اگر نہانے کی حاجت میں صبح صادق ہو جائے تو اس دن روزہ نہیں رکھ سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کو نقل فرماتے ہیں، اور خود ان کا فتویٰ بھی یہی تھا، چنانچہ فتح الباری

کتاب الصوم میں بڑی تفصیل سے ان روایات کو جمع کیا گیا ہے، لیکن حضرت عائشہ رض اور حضرت ام سلمیٰؓ ازواج مطہرات فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کے وقت نہانے کی ضرورت ہوتی تھی اور اس دن روزہ بھی رکھ لیتے تھے، ایک جماعت حضورؐ سے نقل کرتی ہے کہ نمازی کے سامنے سے اگر عورت یا کتا گذر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رض اس پر انکار فرماتی ہیں کہ یہ غلط ہے؛ فاطمہ بنت قیس نقل کرتی ہیں کہ تین طلاق والی عورت کے خورد ونوش اور مکان کا صرفہ خاوند کے ذمہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ حدیث پہنچی تو فرمادیا کہ میں قرآنی حکم کو ایک عورت کے کہنے سے کس طرح چھوڑدوں۔

غرض بہت سی امثلہ اس کی ملیں گی جہاں نقل کرنے والوں سے باوجود ان کے معتبر اور سچے ہونے کے غلطی کا صدور ہوا ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے خبر واحد پر عمل کرنے کے لئے بہت سے اصول مقرر کئے ہیں کہ ان پر روایت کو پرکھ لیا جائے، اگر قواعد کے موافق ہو تو عمل کیا جائے ورنہ نہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسی واقعہ سے علماء حنفیہ رضی اللہ عنہم کے اس اصول کی تائید ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ اس حدیث کو ترجیح دیتے ہیں جو مضمون قرآنی کے موافق ہو اگرچہ دوسری طرف کے روایت کرنے والے ان کی بہ نسبت زیادہ ثقہ یا تعداد میں زیادہ ہوں اور یہ سب واقعات بھی اسی امر کی تائید کرتے ہیں جس کو ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ حدیث پر عمل کرنا اسی شخص کا کام ہے جو غلطی کو پہچان سکے۔ حیرت ہے کہ سونے کے خریدار پرکھنے کے لئے صراف کے محتاج ہیں، لیکن عمل بالحدیث کے لئے کسی جانچنے پرکھنے والے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ اس میں بلا کسی واقفیت کے اپنی شناسی پر پورا گھمنڈ ہے۔

فَاللّٰهُ الْمُسْتَعَان

دورِ ثانی میں اختلافِ روایات کی چوتھی وجہ

یہ بھی پیش آئی کہ صحابہ کرامؓ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی جاں نثار اور واقعی عشاق تھے جو حضورؐ کی ہر ادا پر سو دل سے قربان ہونے والے تھے جو صحیح طور پر اس شعر کے مصداق تھے۔

دیتا جو کردگار مجھے بے شمار دل
کرتا میں ہر ادا پہ سو سو نثار دل

صحابہ کے تعلق کی امثلہ بھی حدِ بیان سے باہر ہیں ان میں کا ہر ہر واقعہ چھوٹی سے چھوٹی مثال ہے ایک ادنیٰ سا واقعہ حضرت انسؓ نقل کرتے ہیں کہ حضورؐ کا ایک صحابی کے مکان پر گذر ہوا۔ جنہوں نے ایک کمرہ تعمیر کرا لیا تھا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کا ہے اور معلوم ہونے پر زبان سے کچھ بھی ارشاد نہیں فرمایا لیکن جب وہ صاحب مکان حاضرِ خدمت ہوئے تو سلام کا جواب نہیں دیا مکرر سہ کرر انہوں نے لوگوں سے پوچھا اور مکان کیطرف سے گذر فرمانے کا حال سُنکر فوراً جا کر اس کمرے کو منہدم کرا دیا اور پھر یہ بھی نہیں کہ حاضر ہو کر اطلاع کر دی ہو۔ شرم و ندامت کی وجہ سے خبر بھی نہیں کی۔ اتفاقاً دوبارہ جب خود ہی حضورؐ کا ادھر گذر ہوا تو معلوم ہوا۔ غرض وہ کبھی کبھی محبوب کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے ظاہر پر عمل فرماتے تھے ممکن ہے کہ بعض حضرات مطلب ہی وہ سمجھتے ہوں جس پر وہ عمل فرما ہوئے تھے لیکن یہ بھی بعید نہیں۔ بلکہ بعض الفاظ سے یہ بات ٹپکتی ہے کہ وہ خود بھی بعض اوقات سمجھتے تھے کہ حقیقی مطلب یہ نہیں، مگر چونکہ ظاہر لفظ یہ ہے اس لئے وہ اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبویؐ کے ایک دروازہ کی طرف اشارہ کر کے

یہ فرمایا کہ ہم اس دروازہ کو عورتوں کے لئے مخصوص کر دیتے تو اچھا تھا حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس دروازہ سے کبھی مسجد میں داخل نہیں ہوئے

ابو سعید خدریؓ کا جب انتقال ہونے لگا تو نئے کپڑے منگا کر زیب تن فرمائے۔ اور یہ کہا کہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ آدمی جن کپڑوں میں مرتا ہے انہی کپڑوں میں حشر میں اٹھایا جائے گا۔

قرآن شریف کی آیت کما بدأنا اول خلق نعیدہ کی تفسیر میں روایاتِ مشہورہ سے ثابت ہے کہ حشر میں سب ننگے اٹھائے جائیں گے۔ متعدد روایات سے یہ مضمون ثابت ہے اور مستبعد ہے کہ ابو سعید خدریؓ کو حدیث کا مطلب معلوم نہ ہو مگر اس کے باوجود بھی انہوں نے صرف ظاہری لفظ پر عمل فرما کر نئے کپڑے زیب تن فرمائے۔

اس نوع کی امثلہ بھی حدیث میں بکثرت ملیں گی گو یہ نوع بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے لیکن جن کو محبت کے گھاٹ سے کوئی گھونٹ ملا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ محبوب کے الفاظ بلا لحاظ مقصد و غرض کس قدر اہم ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم منسوخ روایات کو بھی نقل کرتے ہیں حالانکہ جب کوئی حکم منسوخ ہو چکا اس کی تبلیغ کی اب ضرورت نہیں رہی اسی طرح ایسی بکثرت احادیث روایت کی جاتی ہیں جو اجماعاً متروک الظاہر ہیں۔

اسی لئے محدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے علم حدیث کے تو غل کے لئے اس کی بصیرت اور امین ہیں زبان و قلم ہلانے کے لئے بڑے سخت قواعد مرتب فرمائے ہیں، طالبِ حدیث کے لئے بھی قواعد و شرائط مقرر فرمائے ہیں محدث و معلم کے لئے اس سے زیادہ اونچی اور سخت حدود معین فرمائی ہیں اگرچہ مضمون بے ارادہ طویل ہوتا جا رہا ہے لیکن وقتی ضرورت سے امام بخاریؒ کی ایک عجیب حکایت اس جگہ نقل کرتا ہوں جس سے یہ اندازہ ہوگا کہ علم حدیث کے حاصل کرنے کے لئے اور

اس کا طالب علم بننے کے لئے بھی سلف صالحین نے کس قدر جانکاہی کو ضروری قرار دیا ہے چہ جائیکہ محدثیت اور شیخیت۔

قال السیوطی بسنده	محمد بن احمد کہتے ہیں کہ جب ولید
الی ابی المظفر محمد بن	بن ابراہیم مقام رے کی قضاء سے
حامد البخاری قال لما	معزول ہو کر بخارا پہنچے تو میرے
عزل ابو العباس الولید	استاد ابو ابراہیم ختلی مجھے ساتھ
بن ابراهیم بن زید	لے کر ان کی خدمت میں حاضر
الهمدانی عن قضاء الری	ہوئے اور ان سے درخواست
ورد بخاری فحملنی	کی کہ آپ نے جو روایات حدیث
معلمی ابو ابراهیم	ہمارے مشائخ اور اساتذہ سے
الختلی الیه وقال له اسألك	سنی ہیں اس کو روایت کیجئے۔
وان تحدث هذا الصبی عما	انہوں نے فرمایا کہ میں نے احادیث
سمعت من مشائخنا فقال	کی روایات نہیں سنیں میرے
مالی سماع قال فکیف	استاد نے تعجب سے پوچھا کہ آپ
وانت فقیه قال لانی لما	اتنے بڑے فقیہ متبحر ہو کر ایسی
بلغت مبلغ الرجال	بات فرماتے ہیں انہوں نے
تاقت نفسی الی طلب	اپنا قصہ سنایا کہ جب میں عاقل
الحدیث فقصدت محمد	بالغ ہو گیا اور مجھے علم حدیث
بن اسماعیل البخاری	کا شوق ہوا تو میں امام بخاری رح
واعلمته مرادی	کی خدمت میں حاضر ہوا اور
فقال یا بنی لا	اپنی غرض ظاہر کی انہوں نے
تدخل فی امر	ناصحانہ ارشاد فرمایا کہ بیٹا جب

الا بعد معرفة حدوده
والوقوف على مراده
واعلم ان الرجل
لا يصير محدثا كاملا
في حديثه الا بعد
ان يكتب اربعا
مع اربع كاربع مثل
اربع في اربع عند
اربع باربع على
اربع عن اربع
لاربع۔
وكل هذه الرباعيات
لا تتم الا باربع
مع اربع فاذا تمت
له كلها هان
عليه اربع وابتلى
باربع فاذا صبر
على ذالك اكرمه
الله في الدنيا
باربع واثابه
في الآخرة باربع.
قلت له فسر لي

کسی کام کا ارادہ کرو تو اس سے
پہلے اس کے متعلق اس کے
لوازمات ، حالات دریافت
کر لینا چاہئیں ۔ اس کی حدود
معلوم کرنے کے بعد اس کا ارادہ
کرنا چاہیے۔
اب سنو! کہ آدمی محدث
کامل اس وقت نہیں ہو سکتا
کہ چار چیزوں کو چار چیزوں کے
ساتھ ایسے لکھے جیسے کہ چار چیزیں چار چیزوں
کیساتھ مثل چار چیزوں کے چار زمانوں میں چار
حالات کیساتھ چار مقامات میں چار
چیزوں پر چار نوع کے اشخاص
سے چار اغراض کے لیے
اور یہ سب چوکڑے پورے نہیں
ہو سکتے مگر چار چیزوں کے
ساتھ جو دوسرے چار کے ساتھ
ہوں اور جب یہ سب پورے
ہو جاویں تو اس پر چار چیزیں
سہل ہو جاتی ہیں ، اور چار مصائب
کے ساتھ مبتلا ہوتا ہے ۔ اور جب
ان پر بھی صبر کر لے تو حق تعالیٰ شانہ

رحمك الله ما
ذكرت من احوال
هذه الرباعيات
قال نعم اما
الاربعة التي يحتاج
الى كتبها هي
اخبار الرسول
صلى الله عليه
وسلم وشرائعه
والصحابة ومقاديرهم
والتابعين و
احوالهم وسائر
العلماء وتواريخهم
مع اسماء رجالها
وكناهم
وامكنتهم وازمنتهم
كالتحميد مع
الخطيب مع الرسل
والبسملة مع
السورة والتكبير
مع الصلوة
مثل المسندات

چار چیزوں کے ساتھ دنیا میں
اکرام فرماتے ہیں۔
اور چار چیزیں آخرۃ میں نصیب
فرماتے ہیں۔
میں نے عرض کیا اللہ آپ پر رحم
فرمائیں۔ ان چوکڑوں کی تفسیر تو
فرما دیجئے، انہوں نے فرمایا ہاں!
سنو! وہ چار جن کے لکھنے
کی ضرورت پڑتی ہے وہ حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ
احادیث اور احکامات اور صحابہ
کے ارشادات اور ان صحابہ کے
مراتب کہ کون شخص کس درجہ کا
ہے اور تابعین کے ارشادات اور
ان کے حالات کہ کون شخص معتبر
ہے اور کون غیر معتبر اور جملہ علماء
رواۃ کے حالات اور ان کی
تواریخ مع ان چار چیزوں کے
کہ ان کے اسماء رجال لکھے ان
کی کنیتیں ان کے رہنے کے
مقامات اور ان کے پیدائش و
وفات کے زمانے (جس سے

والمرسلات
والموقوفات
والمقطوعات
في صغره
وفي ادراكه
وفي شبابه
وفي كهولته
عند شغله وعند
فراغه وعند
فقره وعند
غناه بالجبال
والبحار والبلدان
والبراري
على الاحجار
والاصداف
والجلود والاكتاف
الى الوقت
الذي يمكنه
نقلها الى
الاوراق
عمن هو
فوقه وعمن هو

یہ اندازہ ہوسکے کہ جن لوگوں سے
روایت کر رہا ہے ان سے ملاقات
بھی ہوئی ہے یا نہیں) یہ ایسی
لازمی ہیں جیسے خطبہ کے ساتھ
حمد و ثنا اور رُسُل کے ساتھ دعا
یعنی ان پر صلوٰۃ وسلام اور سورۃ
کے ساتھ بسم اللہ اور نماز کے
ساتھ تکبیر (اور مثل چار چیزوں
کے) جیسے مسندات، مرسلات
موقوفات۔ مقطوعات، کہ یہ
علم حدیث کی چار اقسام کے
نام ہیں (چار زمانوں میں) بچپن
میں، قریب البلوغ زمانہ میں
بالغ ہونے کے بعد اور بڑھاپے
سے پہلے تک (حاصل کرتا ہے)
اور چار حالات کا مطلب یہ ہے
کہ مشغولی کے وقت فراغت کے
وقت، تنگی میں، اور تونگری
میں۔
غرض ہر حال میں اسی کی طرف
لگا رہے اور اسی کی دھن ہو (چار
مقامات میں) یعنی پہاڑوں پر

مثله وعمن هو فوقه وعمن هو مثله
وعمن هو دونه وعن كتاب
ابيه بتيقن انه
بخط ابيه دون
غيره لوجه الله تعالى
طالباً لمرضاته
والعمل بما وافق
كتاب الله تعالى
منها ونشرها
بين طالبيها والتاليف
فى احياء ذكره
بعده ثم لا تتم
له هذه الاشياء
الا باربع هى من
كسب العبد
معرفة الكتابة
واللغة والصرف والنحو
مع اربع هن
من اعطاء
الله تعالى الصحة
والقدرة والحرص
والحفظ فاذا اصحت

دریاؤں میں، شہروں میں،
جنگلوں میں، غرض جہاں جہاں
کوئی معلم حدیث معلوم ہو سکے
اس سے حاصل کر لے (چار
چیزوں پر) یعنی پتھروں پر،
سیپوں پر، چمڑے پر، ہڈیوں پر،
غرض اس وقت تک کہ کاغذ ملے
اور اس پر لکھنے اور نقل کرنے
کی نوبت آوے جو چیز ملے اس
پر لکھ دے تاکہ مضمون ذہن سے
نہ نکل جاوے۔
اور جن چار کو حاصل کر کے وہ اپنے
سے بڑے اور چھوٹے اور برابر کے
اور اپنے باپ کی کتاب سے بشرطیکہ
اس کا خط پہچانتا ہو، غرض جس
طرح بھی معلوم ہو سکے کوتاہی نہ
کرے نہ اپنے سے برابر کے یا
چھوٹے سے حاصل کرنے میں عار
کرے)
چار چیزوں کی نیت سے سب سے
مقدم حق سبحانہ و تقدس کی رضا
کے واسطے کہ آقا کی رضا کا طالب

له هذه الاشياء
هان عليه اربع
الاهل والولد و
المال والوطن وابتلى
باربع شماتة الاعداء
وملامة الاصدقاء
وطعن الجهلاء
وحسد العلماء
فاذا صبر على
هذه المحن اكرمه
الله تعالى فى
الدنيا باربع
يعنى القناعة بهيبة
اليقين وبلذة العلم
وبحياة الابد و
اثابه فى الاخرة
باربع بالشفاعة
لمن اراد من
اخوانه وبظل
العرش حيث
لاظل الا ظله وبسقى
من اراد من

وہنا غلام کا فرض ہے۔ دوسرے
جو مضامین کتاب اللہ کے موافق
ہوں انپر عمل تیسرے طالبین و
شائقین تک پہنچانا چوتھے تصنیف
وتالیف کہ بعد میں آنے والوں کیلئے
شمع ہدایت باقی رہے اور یہ سب
مذکورہ بالا حاصل نہیں ہو سکتی مگر
چار چیزوں کے ساتھ جو بندہ کی کسبی
ہیں کہ آدمی اپنی محنت سے مشقت
سے ان کو حاصل کر سکتا ہے وہ
علم کتابت یعنی لکھنا اور علم لغت
کہ جس سے الفاظ کے مطالب
معلوم ہو سکیں اور صرف ونحو کہ
جن سے الفاظ کی صحت معلوم ہو سکے
اور یہ سب ایسی چار چیزوں پر
موقوف ہیں جو حق تعالیٰ شانہ کی
عطائے محضہ ہیں بندہ کے کسب
پر موقوف نہیں وہ صحت قدرت
حرص علی التعلیم اور حافظہ۔ اور
جب یہ سب حاصل ہو جاویں تو
اس کی نگاہ میں چار چیزیں حقیر
ہو جاتی ہیں اہل اولاد مال اور

حوض محمد صلی
اللہ علیہ وسلم
وبجوار النبیین
فی اعلی علیین
فی الجنۃ فقد
اعلمتک یا بنی
بجملات جمیع ما
کنت سمعت
من مشائخی متفرقاً
فی هذا الباب
فاقبل الان علی
ما قصدتنی له
او دعه۔

وطن، اور پھر چار مصائب میں مبتلا
ہو جاتا ہے دشمنوں کی شماتت دوستوں
کی ملامت جاہلوں کے طعنہ اور
علما کا حسد اور جب آدمی ان سب
پر صبر کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ
چار چیزیں دنیا میں نصیب فرماتے
ہیں، اور چار آخرۃ میں، دنیا
کی چار حسب ذیل ہیں اوّل قناعت
کے ساتھ عزت، دوسرے کمال
یقین کے ساتھ وقار و ہیبت،
اور تیسرے لذت علم اور چوتھے
دائمی زندگی۔ اور آخرت کی چار
یہ ہیں اوّل شفاعت جس کی دل چاہے۔
دوسرے عرش کا سایہ اس روز جس
دن کہ اس کے سوا کوئی سایہ ہی
نہیں ہوگا۔ تیسرے حوض کوثر سے
جس کو دل چاہے پانی پلائے۔
چوتھے انبیا کا قرب اعلیٰ علیین۔
پس بیٹا! میں نے جو کچھ اپنے مشائخ
سے متفرق طور پر سنا تھا مجملاً سب بتا
دیا ہے، اب تجھے اختیار ہے کہ حدیث
کا مشغلہ اختیار کر یا نہ کر فقط۔

یہ وہ اصول و قواعد ہیں جو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ہر اس شخص کے واسطے جمع فرمائے ہیں جو محدث اور عالم حدیث بننے کا ارادہ رکھتا ہو، ہم لوگوں کو حقیقۃً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس نصیحت سے سبق لینا چاہیئے، اور دانتوں سے اس کو پکڑنا چاہیئے۔ حقیقہ یہ ہے کہ علم حدیث اس سے بھی زیادہ مشکل ہے اور اس تکاسل کے زمانہ میں جبکہ منتہائے علم کی آخری سیڑھی صحاح ستہ کی چند کتابیں ہوں اپنے کو محدث سمجھ لینا یا اپنے کو علم حدیث کا فاضل تجویز کر لینا اس بندر کی مثال کے بہت ہی مشابہ ہے جو ایک ہلدی کی گرہ سے اپنے کو پنساری کہلانے کا شائق ہو۔ حقیقاً اس جہل کے زمانہ میں علم دین کی جس قدر مٹی خراب ہم نیم مولویوں کی جماعت سے ہو رہی ہے اس کی مثال شاید چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی سابقہ قرون میں نہ مل سکے گی جس کی واحد وجہ اپنی فضیلت پر اعتماد اپنی معلومات ناقصہ پر وثوق حالانکہ متاخرین فقہائے اپنی رائے سے فتویٰ دینے کی بھی اس زمانہ میں اجازت نہیں دی بلکہ اس کے مثل سابقہ فتاوی میں سے حکم نقل کر دینے کی اجازت دی ہے، مگر اس دو دن مسئلہ مسائل تو در کنار بڑی سے بڑی علمی تحقیق اپنے وجدان اپنی سمجھ کی رہین منت بن گئی۔ فالی اللہ المشتکی وھو المستعان۔ بالجملہ یہ مضمون اپنے وجود ضروری ہونے کے مبحث سے خارج ہے اس لئے اس کو ترک کر کے اپنے مضمون سابق کی طرف عود کرتا ہوں کہ دور ثانی میں اختلاف روایات کی وجوہ کثیرہ میں سے مثال کے طور پر چار وجوہ پر قناعت کر کے آگے چلتا ہوں کہ اس کے بعد صحابہ تابعین اور تبع تابعین ائمہ مجتہدین ائمہ محدثین غرض جس قدر مشکوٰۃ نبوۃ سے بُعد ہوتا گیا وجوہ اختلاف بڑھتے گئے اور بڑھنا بدیہی ہے کہ جتنے منہ اتنی ہی باتیں یہ وجہ حقیقۃً بہت سی انواع اور وجوہ کو شامل ہے لیکن تطویل کے خیال سے ان سب کو ایک وجہ میں شامل کر کے پانچویں وجہ اس دور کی قرار دیتا ہوں کہ مضمون زیادہ طول نہ پکڑے۔

(مختصراً پانچویں وجہ) کثرت وسائط ہے کہ احادیث کی روایات میں جس قدر واسطے بڑھتے گئے سابقہ سب وجوہ کی بنا پر اتنا ہی اختلاف پیدا ہوتا گیا یہ وجہ بدیہی ہے ہر شخص کو پیش آتی ہے ہر شخص سمجھتا ہے کہ کسی قاصد کے ہاتھ آپ ایک بات کہلا کر بھیجئے لیکن اگر درمیان میں چند واسطہ ہو جاویں گے تو اس میں اختلاف لازمی اور بدیہی ہے، یہی وجہ ہے کہ ائمہ حدیث نے روایات کی وجوہ ترجیح میں علو سند یعنی واسطوں کے کم ہونے کو ایک بڑی وجہ قرار دی ہے جس کو حق تعالیٰ شانہٗ کو اگر منظور ہے تو اپنے موقع پر تفصیل سے میں پیش کروں گا۔ یہاں پر اجمالاً اتنا متنبہ کرنا ضروری ہے کہ عقلاً نقلاً تجربتہً مشاہدۃً کثرت وسائط اختلاف کا سبب ہوا کرتا ہے اور یہی اختلاف روایات کی بڑی اور سب سے بڑی وجہ ہوتی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک امام صاحب رضی اللہ عنہ کے فقہ کو دوسرے ائمہ فقہا اور تمام محدثین کے کے اقوال و روایات پر ترجیح ہونے کی منجملہ اور وجوہ کثیرہ کے جو اپنے موقع پر واضح ہیں یہ بھی ایک وجہ ہے کہ اجماعاً امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان میں واسطے بہت کم ہیں توضیح کے لئے اجمالی طور پر مشاہیر ائمہ کی تاریخ ولادت و وفات پیش کرتا ہوں۔

امام ابوحنیفہؒ	”	ولادت	سنہ ۸۰ھ	وفات سنہ ۱۵۰ھ	کل عمر	۷۰
امام مالکؒ	”	”	سنہ ۹۵ھ	” سنہ ۱۷۹ھ	”	۸۴
امام شافعیؒ			سنہ ۱۵۰ھ	سنہ ۲۰۴ھ	”	۵۴
امام احمد بن حنبلؒ	”	”	سنہ ۱۶۴ھ	” سنہ ۲۴۱ھ	”	۷۷
امام بخاریؒ	”	”	سنہ ۱۹۴ھ	” سنہ ۲۵۶ھ	”	۶۲
امام مسلمؒ	”	”	سنہ ۲۰۴ھ	” سنہ ۲۶۱ھ	”	۵۷
امام ابوداؤدؒ	”	”	سنہ ۲۰۲ھ	” سنہ ۲۷۵ھ	”	۷۳
امام ترمذیؒ	”	”	سنہ ۲۰۹ھ	” سنہ ۲۷۹ھ	”	۷۰

امام نسائیؒ ولادت ۲۱۵ھ وفات ۳۰۳ھ کل عمر ۸۹
امام ابن ماجہ " ۲۰۹ھ " ۲۷۳ھ " ۶۴

اس توضیح کے بعد یہ امر بہت ہی واضح ہو جاتا ہے کہ امام بخاری امام مسلم رضی اللہ عنہما تک روایت کے آتے ہیں جب کہ حضورؐ کے زمانہ کو تقریباً دو سو برس گذر چکے ہیں بہت سے وسائط کا اضافہ ہو جاوے گا بخلاف امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ کے زمانہ کے کہ وہاں سو برس بھی فصل نہیں۔ بالجملہ کثرت وسائط روایات کے اختلاف کا سبب ہوا کرتی ہے اور تدوین کتب حدیث چونکہ دوسری صدی میں بالعموم شروع ہوئی اس لئے اس وقت نقل کرنے والوں کی کثرت وسائط کی وجہ سے روایات کے الفاظ میں بہت زیادہ اختلاف ہو گیا۔

(۶) اختلاف روایات کی چھٹی وجہ ضعف روایات ہے کہ انہی کثرت وسائط میں بعض راوی ضعیف غیر معتبر بھی آگئے کہ بعض لوگ حافظہ کی خرابی یا کسی عارض کی وجہ سے کچھ سے کچھ نقل کر دیتے تھے انہیں میں بعض رواۃ ایسے بھی تھے جن کو اپنے حافظہ یا کتب پر اعتماد تھا لیکن ان میں کسی حادثہ کی وجہ سے کوئی ایسا عارضہ پیش آگیا جس کی وجہ سے روایات میں گڑبڑ ہونے لگی غلط روایات نقل کی جانے لگیں اسی وجہ سے ائمہ حدیث نے حدیث پر عمل کرنے کے لئے نہایت ہی ضروری قرار دیا ہے کہ وہ ہر راوی کے حالات سے واقف ہو اور اس میں بصیرت رکھتا ہو۔ اور یہی وجہ ہے مشائخ حدیث نے عامی شخص کو حدیث پر عمل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ شرح اربعین نوویہ میں ہے۔

من اراد الاحتجاج بحدیث	جو شخص کتب سنن میں کسی حدیث سے
من السنن کابی داؤد	استدلال کا ارادہ کرے جیسے
والترمذی والنسائی	ابوداؤد ترمذی، نسائی وغیرہ
وابن ماجۃ	بالخصوص ابن ماجہ مصنف ابن

ومصنف ابن ابي شيبة	ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق،
وعبد الرزاق ونحوهما	اور ان جیسی کتب جن میں ضعاف
مما تكثر فيه الضعف	روایتیں بکثرت ہوں۔ وہ اس
وغيره او بحديث من	کا اہل ہے کہ حدیث صحیح کو غیر صحیح
المسانيد فان تاهل	سے ممتاز کرے تب بھی اسکے
لتميز الصحيح من غيره	لئے ناجائز ہے کہ اس حدیث
امتنع ان يحتج بحديث	کو حجت بنالیوے تاوقتیکہ اس
من ذالك حتى ينظر	کے اتصال کی تحقیق نہ کرلے اور
في اتصال سنده حال	رواۃ کا حال منقح نہ کرے اور اگر
رواته وان لم يتاهل	اس کا اہل ہی نہیں تو اگر کوئی
له فان وجد اماماً	امام ہو تو اس کی تقلید ضروری ہے
قلده والا لم يحل	ورنہ اس کے لئے احتجاج جائز
له الاحتجاج به لئلا	نہیں۔ مبادا کسی امر باطل میں
يقع في الباطل۔	نہ پڑجائے۔

اس مضمون کو ہم اپنے موقعہ پر انشاءاللہ وضاحت سے دکھلادیں گے کہ جمہور فقہاء اور جمہور محدثین نے اس کی تصریح کی ہے کہ جس شخص کو روایات کی صحت و ضعف پہچاننے کا سلیقہ نہ ہو ناسخ و منسوخ کو ممتاز نہ کرسکتا ہو عمومی احکام کو خصوصی ارشادات سے جدا نہ کرسکتا ہو اس کو عمل بالحدیث جائز نہیں اور حقیقۃً یہ امر کسی کی تصریح کا محتاج بھی نہیں اس قدر بدیہی بات ہے کہ جو شخص صحیح کو سقیم سے جدا کرنے پر قادر ہی نہیں وہ اس پر عمل کس طرح کرسکتا ہے۔

(ساتویں وجہ) اس دور کی یہ ہے کہ خیر القرون کے بعد حسب ارشاد آقائے دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کذب کا ظہور ہوا لوگوں نے عمداً جھوٹ بولنا

شروع کر دیا۔ اسی وجہ سے علماء محدثین نے موضوعات کی کتب تالیف فرمائیں،
ان جھوٹے لوگوں میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو اپنے اغراض کی وجہ سے حدیث
گھڑ دیتے تھے۔ ایسی حالت میں جس قدر بھی اختلاف روایات میں واقع ہو کم ہے۔
ابن لہیعہ ایک شخص کا قصہ نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک زمانہ میں خوارج کا شیخ تھا۔
پھر اس کو توبہ کی توفیق نصیب ہوئی تو اس وقت اس نے یہ نصیحت کی کہ حدیث
حاصل کرنے کے وقت اس کے رواۃ کی تحقیق کر لیا کرو۔ ہم لوگ جب کسی بات
کو پھیلانا چاہتے تھے اس کو حدیث بنا لیا کرتے تھے۔ حماد بن سلمہؒ ایک رافضی
کا مقولہ نقل فرماتے ہیں کہ ہم اپنی مجالس میں جب کسی امر کو تجویز کرتے تھے تو اس کو
حدیث بنا لیا کرتے تھے۔ مسیح بن جہم ایک بدعتی کا مقولہ نقل کرتے ہیں کہ جب وہ
تائب ہوا تو اس نے قسم کھا کر یہ کہا کہ ہم نے بہت سی باطل روایات تم سے نقل
کی ہیں اور تمہارے گمراہ کرنے کو ہم ثواب سمجھتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ حفاظ حدیث نے
ان مقولوں کو اپنی اپنی جگہ ذکر فرمایا ہے بالخصوص حافظ نے لسان کے شروع میں۔
میری غرض ان کے ذکر سے اس کا ثبوت تھا کہ خود گھڑنے والے اقرار کرتے تھے۔
کہ ہم نے جھوٹی روایات گھڑی ہیں اور یہ نوع حقیقت میں بہت سی اقسام کو شامل
ہے بعض لوگ تو ایسے اغراض کے لئے گھڑتے تھے جن کو وہ دین سمجھتے تھے جیسے
روافض خوارج وغیرہ وغیرہ جن کے مقولے پہلے گذر ے اس وجہ سے محدثین نے
ان قواعد میں جو حدیث پر عمل کرنے کے لئے مقرر فرمائے ہیں ان میں منجملہ اور شرائط
کے یہ بھی ذکر فرمایا کہ جس شخص کے رفض کا حال اسماء رجال سے معلوم ہو فضائل اہل
بیت میں اس کی روایت معتبر نہیں۔

حماد بن زید کہتے ہیں کہ زنادقہ نے چودہ ہزار احادیث گھڑی ہیں جن میں سے
ایک شخص عبدالکریم بن ابی العوجاء ہے جس کو مہدی کے زمانہ میں سولی پر چڑھایا گیا
وہ سولی پر چڑھایا جا رہا تھا اس وقت اس نے کہا کہ میں نے چار ہزار حدیثیں گھڑی

ہیں جن میں حلال اشیاء کو حرام بنایا اور حرام کو حلال بنایا۔ اور بعض لوگ محض کسی امیر
یا بادشاہ کے خوش کرنے کے لئے حدیث گھڑ دیتے تھے جن کے قصے موضوعات میں
بالتفصیل درج ہیں اور ان اقسام میں جن پر ائمہ حدیث نے زیادہ کلام کیا ہے صوفیہ
اور واعظین کی روایات ہیں کہ صوفیہ کو ان کے حسن ظن کی بنا پر ہر شخص کے قول پر اعتماد
ہو جاتا ہے اور اس بنا پر وہ اس کو سچا سمجھ کر دوسرے سے نقل کرتے ہیں اور دوسرے
لوگ ان کے اعتماد پر اوروں سے نقل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ امام مسلمؒ نے اپنے صحیح کے
شروع میں اس پر کلام فرمایا ہے اس طرح واعظین کی روایات کہ وہ لیسا اوقات مجمع
پر رنگ جمانے کے واسطے غلط روایات نقل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں کا تو
مذہب یہی ہے کہ امور آخرۃ میں رغبت دلانے کے لئے یا خوف پیدا کر دینے کے
خیال سے حدیث کا گھڑنا جائز ہے۔

واعظین کی روایات بالخصوص کتب موضوعہ میں بکثرت پائی جاتی ہیں امام احمد
بن حنبل اور یحیٰی بن معین رضی اللہ عنہما ایک مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے نماز کے بعد
ایک واعظ نے وعظ شروع کیا اور انہی دونوں حضرات کے واسطے سے حدیث نقل
کرنی شروع کی جب وہ وعظ ختم کر چکا تو امام یحیٰی بن معین نے ہاتھ کے اشارہ سے
بلایا وہ یہ سمجھ کر کہ یہ کچھ دینے کے لئے اشارہ کر رہے ہیں قریب آیا۔ انہوں نے
پوچھا یہ حدیث کس نے بیان کی اس نے پھر ان ہی دونوں حضرات کا نام لیا۔ وہ
بیوقوف ان کو جانتا بھی نہ تھا۔ لیکن چونکہ دنیائے حدیث میں ان دونوں حضرات
کی شہرت تھی اس لئے ان کا نام لے دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں یحیٰی بن معین ہوں اور
یہ احمد بن حنبل۔ ہم نے تو تجھ کو یہ حدیث نہیں سنائی اور نہ کبھی خود سنی۔ اس نے
کہا کہ یحیٰی بن معین تم ہی ہو انہوں نے فرمایا ہاں۔ کہنے لگا کہ میں ہمیشہ سے سنتا
تھا کہ یحیٰی بن معین بے وقوف ہیں۔ مگر آج تجربہ ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ تجربہ کس
طرح ہوا۔ اس نے کہا کہ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ یحیٰی بن معین اور احمد بن حنبل تم ہی دو ہو

ہیں نے سترہ یحییٰ بن معین احمد بن حنبل سے حدیثیں سنتی ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے رنج کی وجہ سے اپنے چہرہ مبارک پر کپڑا ڈال لیا۔ اور وہ مزاق سا کرتا ہوا چلا گیا۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں وعظ پر تشدید فرما رکھی تھی۔ ابونعیم نے کتاب الحلیہ میں زہری سے نقل کیا ہے کہ حدیث ایک شخص دو شخصوں اور تین چار شخصوں تک روایت کرتے ہیں کوئی حرج نہیں لیکن جب حلقہ وسیع ہو جاوے تو چپ ہو جا۔

خباب بن ارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل کی جب ہلاکت شروع ہوئی تو وعظ گوئی شروع کر دی۔ زین عراق کہتے ہیں کہ واعظوں کی آفات میں سے یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی بات عوام کے سامنے نقل کرتے ہیں جہاں تک ان کے ذہن نہیں پہنچتے جس سے اعتقاد فاسد ہوتے تھے۔ جب یہ سچی اور صحیح باتوں کا حال ہے تو غلط اور من گھڑت باتوں کا تو کہنا ہی کیا۔ انہی وجوہ سے علماء حدیث کو موضوع روایات میں بھی کتابیں تصنیف فرمانی پڑیں۔ اور ان حضرات نے اسی تحقیق و تنقیح کے ساتھ موضوع روایات کو یاد فرمایا۔ اور تحریر فرمایا۔ جس طرح سچی پکی روایات کو تاکہ بعد کے آنے والوں کو اشتباہ نہ پڑ جائے۔

(آٹھویں وجہ) جو گذشتہ کے قریب ہی ہے یہ بھی پیش آئی کہ روایت کرنے والے خود تو معتبر سچے پکے آدمی لیکن ان کی کتابوں میں کسی معاند بد باطن نے کچھ تصرف کر دیا۔ جس کی وجہ سے روایات میں اختلاف پیدا ہوا۔ یہ روایت کرنے والے خود معتبر اس لئے ان کی روایات کو رد بھی نہیں کیا گیا اور اس مکر کی وجہ سے اصل روایت میں گڑبڑی ہو گئی۔ چنانچہ اہل اصول نے تصریح کی ہے کہ حماد بن سلمہؓ کی کتابوں میں ان کے ربیب ابن ابی العوجاء نے تصرف کیا ہے۔ اور معمر کی کتابوں میں ان کے ایک بھتیجے نے جو رافضی ہو گیا تھا۔ ایک حدیث داخل کر دی۔ یہ وجوہ اور اس نوع کی اور بھی بہت سی وجوہ ہیں جو عوام کے سامنے تفصیل کے قابل نہیں۔

اس لئے کہ ان کے افہام اس سے قاصر ہیں وہ ان واقعات سے اپنی قلت فہم اور قصور علم کی وجہ سے مطلقاً حدیث شریف کی کتب اور روایات سے ایک بدظنی کا مضمون اخذ کر لیں گے۔ اس لئے میں اس کو مختصر کرتا ہوں۔ درحقیقت نہ یہ مضامین ایسے عام ہیں کہ ہر شخص کے سامنے رکھے جاویں اور نہ ہر نوع کا آدمی ان کی فہم کا اہل۔ اسی وجہ سے مشائخ نے عوام کے سامنے خاص مسائل کے تذکروں کو بھی روکا ہے اور ان وجوہ سے قدماء نے حدیث شریف پڑھنے کے لئے اس سے قبل اس قدر علوم ضروری قرار دیئے تھے جن سے اس کی استعداد حاصل ہو جاوے بالخصوص اصول فقہ اور اصول حدیث تاکہ بات سمجھنے اور پرکھنے کی قابلیت ہو جاوے۔ زین عراقی کا مقولہ میں ابھی نقل کر چکا ہوں۔ کہ واعظین کی آفات میں سے ہے کہ عوام کے سامنے ایسے امور بیان کرتے ہیں۔ جہاں تک ان کی عقول کی رسائی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے اعتقاد فاسد ہوتا ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تو کسی قوم سے ایسی حدیث بیان کرے جہاں تک ان کی عقول کی رسائی نہ ہو تو ان کے لئے فتنہ کا سبب ہو گی۔ امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس حدیث کو اپنی کتاب کے مقدمہ میں ذکر فرمایا ہے بخاری شریف میں امام بخاری نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی اسی قسم کا مقولہ نقل فرمایا ہے۔ اگرچہ اب یہ امور خطرناک نہیں رہے اس لئے کہ ائمہ حدیث نے صحیح و سقیم روایات کو چھانٹ دیا۔ معتبر اور غیر معتبر کو ممتاز کر دیا۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب بخاری شریف کو چھ ۶۰۰۰۰۰ لاکھ احادیث سے اور امام مسلمؒ نے تین لاکھ احادیث سے اور امام ابوداؤد نے پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب کیا۔ تاہم میں اس دور ثانی کو اسی جگہ ختم کرتا ہوں اس لئے کہ مقصود اس سارے بیان سے جو آئندہ مضمون سے یہاں تک بیان کیا گیا اس سے یہ دکھلانا تھا کہ روایات حدیث میں اختلاف کی وجوہ بہت مختلف پیدا ہوتی ہیں اور وہ علاوہ بدیہی ہونے کے قرین قیاس اور موجہ ہیں اور ان وجوہ کثیرہ میں سے اٹھارہ ۱۸ وجوہ اس دور اوّل پر اور اٹھارہ اس دور میں

ذکر کر چکا ہوں۔ اس کے علاوہ جس قدر وسائط کی کثرت ہوتی گئی اتنا ہی اختلاف اور ضعف روایات میں بڑھتا گیا۔ اسی وجہ سے امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب میں ضعیف روایات بہت ہی کم ہیں۔ بلکہ گویا بالکل ہی نہیں اس لئے کہ ان کا زمانہ دوسری صدی کے ختم پر ہے اور دار قطنی کی کتاب میں بہت ہی زیادہ ضعیف روایات آگئیں اس لئے کہ ان کا زمانہ ان سے بہت زیادہ مؤخر ہے اور اسی وجہ سے ائمہ مجتہدین کا دور چونکہ امام بخاری رضی اللہ عنہ سے بھی مقدم تھے اس لئے کہ ائمہ اربعہ میں سے سب سے آخر زمانہ امام احمد بن حنبل کا ہے اور وہ بھی امام بخاری رضی اللہ عنہ سے مقدم ہیں اس لئے ان حضرات کے دور تک روایات میں اس قدر ضعف نہیں آیا تھا نہ اتنا اختلاف پیدا ہوا تھا۔ جس قدر کہ بعد میں ہو گیا۔ بالجملہ ان وجوہ اختلاف اور ضعفِ روایات کی وجہ سے ائمہ فقہ و حدیث رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم کو ان کی تحقیق و تنقیح فرمانے کی ضرورت پیش آئی۔ معتبر روایات کو مقدم فرمایا، غیر معتبر اور کاذب روایات کو ساقط فرمایا۔ پھر معتبر روایات میں راجح اور مرجوح ناسخ اور منسوخ کو جدا جدا کر دیا لیکن یہ سب امور خود ایسے تھے کہ ان کے درمیان میں اختلاف لازمی امر تھا۔ اس لئے کہ یہ ضروری نہیں کہ جو شخص میرے نزدیک معتبر ہے وہ سب کے نزدیک معتبر ہو یا جو میرے نزدیک دیانتدار ہے وہ سب کے نزدیک ایسا ہی ہو اس بنا پر مجتہدین میں بھی اختلاف ہوا اور ہونا چاہیئے تھا کہ فطری امر ہے اس لئے اب ہم اجمالاً ان وجوہ کا ذکر کرتے ہیں

تیسرا دور اختلاف مذاہب

اور ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف کی بڑی وجہ

سابقہ مضمون سے یہ امر تو واضح ہو گیا۔ کہ روایات میں نقل کرنے والے حضرات کی طرف سے کچھ تصرف پیش آیا۔ خواہ عمداً خواہ سہواً کہیں نقل میں غلطی ہوئی اور کہیں

فہم ہیں اس لئے ائمہ حدیث وفقہ کے لئے اس کی ضرورت پڑی کہ ان روایات کو سامنے رکھ کر ان کے درمیان میں ترجیح دیں ۔ اور اپنی تحقیق کے موافق صحیح و معتبر روایات کو راجح قرار دیں ۔ اور غیر صحیح کو غیر قابل عمل یہ حقیقت ہے کہ ائمہ مجتہدین کے اقوال مشکوٰۃ نبوت ہی سے ماخوذ ہیں بسا اوقات نفس الفاظ سے استخراج کیا جاتا ہے ۔ اور کہیں کہیں اس علت سے مسئلہ کا استخراج کیا جاتا ہے جو شارع علیہ السلام کے کلام سے مستنبط ہوتی ہے غرض حدیث پر عمل کرنے کے لئے کچھ اصول و قواعد کی احتیاج لابدی ہے جس کی وجہ سے اختلاف احادیث کے درمیان میں ترجیح دی جاسکے اور ان وجوہ میں ائمہ فقہ و حدیث کے درمیان میں اختلاف ہے یہ بحث نہایت طویل بحث ہے اصول فقہ و حدیث کی جملہ کتب حدیث سے قبل اسی کی تحقیق کے لئے پڑھائی جاتی ہیں اجمالی تذکرہ ان وجوہ کا یہ ہے کہ ائمہ حدیث نے وجوہ بالا کی بنا پر حدیث کی تین قسمیں فرمائی ہیں ۔ متواتر مشہور خبر واحد متواتر وہ حدیث ہے جس کے روایت کرنے والے ہر دور میں اس قدر کثیر ہوں کہ ان کے مجموعہ کا کسی کذب یا غلطی پر اتفاق ناممکن ہو جیسے بمبئی کلکتہ وغیرہ کے وجود کی خبریں اسی طرح نماز کی رکعات روزہ کے اعداد وغیرہ وغیرہ دوسری قسم مشہور ہے وہ بھی اسی کے قریب ہے ہمیں ان دونوں قسموں سے بحث نہیں کرنی اس لئے کہ ان کے متعلق ائمہ میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں معمولی اختلاف اس امر میں ہے کہ متواتر کے لئے کتنے عدد روایت کرنے والوں کی ضرورت ہے نیز مشہور متواتر کے حکم میں داخل ہے یا خبر واحد کے یا مستقل تیسری چیز ہے ۔ ہماری بحث اس جگہ صرف خبر واحد سے ہے کہ جس کے روایت کرنے والے حد تواتر کو نہ پہنچے ہوں اور جملہ روایات حدیث تقریباً اسی نوع میں داخل ہیں یہ نوع اجمالاً دو قسم پر منقسم ہے مقبول و مردود حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں کہ قسم اول یعنی متواتر کے علاوہ کہ وہ تو مقبول ہی ہوتی ہے اس کے علاوہ جتنی اقسام ہیں وہ دو قسموں میں منحصر ہیں مقبول و مردود ۔ مقبول وہ ہے جس پر عمل

واجب ہو اور مردود وہ ہے جس کا معتبر ہونا غیر معتبر ہونے پر راجح نہ ہو لہٰذا جس حدیث میں وجوہ متعارض ہوں کہ بعض وجوہ اس کے صحیح اور معتبر ہونے کا تقاضا کرتی ہوں اور دوسری بعض اس کے غیر معتبر ہونے کا وہ بھی غیر معتبر ہی میں داخل کی جاوے گی تاوقتیکہ اس کے معتبر ہونے کی وجوہ راجح نہ بن جاویں۔ اس کے بعد حافظ فرماتے ہیں کہ مردود غیر واجب العمل ہے ہی مگر مقبول بھی دو قسم پر منقسم ہے۔ واجب العمل غیر واجب العمل اس لئے کہ وہ اگر مقبول ہونے کے باوجود کسی دوسری حدیث کے ساتھ معارض ہوگئی تو پھر دیکھا جاوے گا کہ ان دونوں احادیث میں کوئی صورت جمع کی ہو سکتی ہے یا نہیں اگر ہو سکتی ہے تو جیسا کہ ان دو حدیثوں کے متعلق علماء نے جمع فرمایا ہے، ایک حدیث میں حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی، اور دوسری حدیث میں ارشاد عالی ہے کہ کوڑھی سے ایسا بھاگ جیسا شیر سے بھاگتا ہے۔ ان دونوں میں بظاہر تعارض ہے اور دونوں صحیح اور معتبر روایات ہیں علماء نے مختلف طریقوں سے دونوں میں جمع فرمایا ہے۔ ہمیں ان اقوال کا بیان کرنا مقصود نہیں۔ ہماری غرض یہ ہے کہ جمع میں اگر صورت ممکن ہے تو وہ مقدم ہوگی۔ اور اگر جمع کی کوئی صورت ان مختلف احادیث میں نہ ہو سکے تو پھر دیکھا جاوے گا کہ تاریخ کے لحاظ سے کوئی تقدم و تاخر تو نہیں اگر محقق ہو گیا تو مؤخر پر عمل کیا جاوے گا۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہوا تو پھر دیکھا جاوے گا کہ کوئی اور خارجی وجہ منجملہ وجوہ ترجیح کے ایسی ہے جس کی وجہ سے کسی ایک روایت کو راجح کہا جاوے اور اگر یہ بھی نہ پایا جاوے تو پھر یہ دونوں روایتیں بھی باوجود صحیح اور مقبول ہونے کے اس تعارض کی وجہ سے انواع مردود میں داخل ہوں گی یہاں پر علماء کے درمیان دو مبحث طویل ہو گئے۔ اول وجوہ رد یعنی کن کن وجوہ سے حدیث کو ضعیف اور غیر معتبر سمجھا جا سکتا ہے دوسرے وجوہ ترجیح یعنی دو مختلف روایتوں کے درمیان دونوں کے صحیح ہونے کے باوجود کس کس طریقے سے ترجیح

دیجاتی ہے اور ان دو کلی بحثوں کے درمیان میں جس قدر جزوی اختلاف علماء کے درمیان میں ہو وہ قرین قیاس ہے ابھی گذشتہ قاعدہ میں نظر کیجئے۔ کہ دو حدیثوں میں جب دو مضمون وارد ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ ہر ذی علم کے نزدیک وہ دونوں متعارض ہوں بلکہ ممکن ہے کہ دوسرے سے ان کا مطلب ہی کسی مجتہد کے نزدیک وہ ہے جو دوسری حدیث کے معارض نہیں۔ اس کے بعد اگر معارضہ مان بھی لیا جاوے تو ضروری نہیں کہ ہر شخص کے نزدیک ان میں جمع کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے بہت اقرب ہے کہ کسی کے نزدیک جمع کی کوئی صورت ہو سکتی ہو اور کسی کے نزدیک نہیں۔ اس کے بعد یہ مان کر کہ جمع کی کوئی صورت نہیں۔ اس کی تحقیق میں آراء کا مختلف ہونا بدیہی امر ہے کہ کونسی حدیث ان میں سے مقدم ہے اور کونسی مؤخر۔ یہاں بھی اختلاف لابدی ہے اس لئے کہ بہت ممکن ہے کہ کسی کے پاس ایسے قرائن موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ کسی ایک حدیث کو مؤخر اور ناسخ سمجھتا ہے اور دوسری کو منسوخ لیکن دوسرے کے نزدیک وہ قرائن اس پر دال نہیں۔ اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے کہ تقدم تاخر بھی محقق نہیں تو پھر اس میں بھی اختلاف لابدی ہے کہ کسی کے نزدیک وجوہ ترجیح بین الروایات کچھ ایسے امور ہیں جو دوسرے کے نزدیک نہیں جیسا کہ مختصر طور پر ہم اس کو کسی جگہ نقل کریں گے۔ اور یہ ہی سب وجوہ اختلاف بین المجتہدین کے اسباب ہیں اور یہ سب فطری اور بدیہی امور ہیں ایک نقل کرنے والا کوئی بات نقل کرتا ہے زید کے نزدیک وہ معتبر ہے عمرو کے نزدیک وہ کاذب ہے زید کے نزدیک وہ سمجھدار ہے عمرو کے نزدیک وہ بے وقوف ہے اسی طرح سے اور بہت سے اسباب ہیں تو زید کے نزدیک اس کی روایت سچی پکی اور عمرو کے ناقابل التفات۔ غرض ان وجوہ سے ائمہ حدیث وفقہ کے درمیان میں بہت سی جزئیات میں اختلاف ہوا جن کو اجمالی طور سے ہم مختصراً بیان کر کے یہ دکھلانا چاہتے

کہ یہ وجوہ ہیں علماء کے درمیان میں اختلاف کی اور ان کا حل دو صورتوں منحصر ہے یا بعد کا آنے والا اس قدر صلاحیت رکھتا ہو کہ ان کے وجوہ مختلفہ میں سے اپنے دل سے ترجیح دیتا ہے اور اس پر عمل کرے وہ مصیب ہے اور انشاء اللہ ماجور اسی کو ہم لوگ مجتہد کہتے ہیں یا وہ اس قدر استعداد اپنے اندر نہیں رکھتا کہ ان متعارض وجوہ متعارض اقوال در وایات کے درمیان میں ترجیح دے سکے۔ تو اس کو چاہئیے کہ کسی واقف کار کے پیچھے ہولے یہ بھی مسئلہ ہے کہ راستہ جب مشتبہ ہو جاوئے تو اگر ماہر ہے تو خود آگے بڑھے ناواقف ہے تو کسی کے پیچھے چلے لیکن یہ تحقیق کرنے کے بعد کہ جس کے پیچھے جارہا ہے وہ خود بھی واقف ہے یا نہیں اور کہاں جاوے گا اور یہ صورت کہ ہر چوراہے پر کسی ایک چلنے والے کے پیچھے ہونے والا بجز بھٹکنے کے اور کیا کر سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ علماء تقلید شخصی کو ضروری تبلاتے ہیں اور تقلید غیر معین سے روکتے ہیں الغرض ان سابقہ وجوہ کی بناء پر علماء میں دو مستقل باب مختلف ہو گئے۔ اول وجوہ طعن کہ روایات حدیث کو کن وجوہ سے مجروح قرار دیا جا سکتا ہے۔ محدثین نے وجوہ طعن دس گنوائی ہیں جن میں سے پانچ راوی کی عدالت کے متعلق ہیں اور پانچ حافظہ کے متعلق ——— عدالت کے متعلق حسب ذیل جروح ہیں۔ راوی کا کاذب ہونا یا متہم بالکذب فاسق ہونا عام ہے کہ فعلاً ہو یہ مثلاً زناکار وغیرہ یا قولاً ہو جیسے غیبت کرنے والا بدعتی ہونا۔ مجہول الحال ہونا اور حافظہ کے متعلق پانچ جروح حسب ذیل ہیں۔ اکثر غلط روایات نقل کر دینا روایات کی نقل میں غفلت کرنا کسی قسم کا وہم کر دینا اور معتبر راویوں کی مخالفت کر دینا۔ حافظہ میں کسی قسم کی خرابی کا ہو جانا۔ اب یہ دس وجوہ علماء کے درمیان میں دو وجہ سے مختلف ہو گئیں اولاً یہ کہ ان وجوہ میں کسی حد تک روایات ضعیف قرار دی جاتی ہے مثلاً بدعتی ہونا آیا مطلقاً وجہ ضعف ہے یا جب کہ اپنی بدعت کے موافق روایت کرنے والا ہو اس وقت جرح ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ دوسرے یہ

کہ جس راوی کے متعلق ان ذہن عیوب میں سے کوئی عیب ثابت کیا جاتا ہے وہ عیب اس میں ہے بھی یا نہیں۔ مثلاً متہم بالکذب ہونا ایک شخص کے نزدیک وہ متہم بالکذب ہے دوسرے کے نزدیک نقل کرنے والوں کی غلطی ہے وہ سچا آدمی ہے۔ اسی طرح اور وجوہ میں بھی علمار حدیث و فقہ کے درمیان میں اختلاف ہوا۔ اور اس کے بعد ان ذہن کے علاوہ اور بھی وجوہ ضعف علمار کے درمیان میں مختلف ہوئیں۔ مثلاً کسی راوی کا سند کے درمیان میں سے ساقط کر دینا کہ ایک جماعت کے نزدیک یہ مطلق موجب ضعف ہے اور یہ روایت ضعیف بن گئی۔ لیکن دوسرے گروہ کے نزدیک یہ قاعدہ کلی نہیں کہ جہاں کہیں راوی ساقط ہو جاوے وہ روایت ضعیف بن جاوے بلکہ ان کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ ساقط ہونے والا کون ہے صحابی ہے یا نیچے کے درجہ کا کوئی راوی ہے اسی طرح ساقط کرنے والا خود معتبر ہے یا غیر معتبر ہے اسی طرح اور بہت سی وجوہ ہیں جن کے درمیان علمار مختلف ہوتے ہیں کہ ان وجوہ سے روایت میں ضعف آتا ہے یا نہیں۔ ایک جماعت کے نزدیک یہ وجوہ ضعف کی ہیں لہٰذا ان کے نزدیک جسقدر روایات ایسی ہیں جن میں وجوہ مذکورہ بالا میں سے کوئی بات پائی جاوے گی وہ روایت ضعیف ہو جاوی گی اور وہ مسئلہ جو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے ثابت نہیں ہوگا۔ اور جن کے نزدیک یہ وجوہ موجب ضعف نہیں یا ان میں کچھ تفصیل ہے ان کے نزدیک وہ روایات جن میں وجوہ بالا میں سے کچھ پایا جاتا ہے وہ ضعیف نہیں اس لئے جو مسائل ان سے معلوم ہوتے ہوں گے وہ ثابت و حجت ہوں گے۔ دل چاہتا تھا کہ اس مضمون کو زیادہ بسط سے لکھا جاتا اور وجوہ مذکورہ بالا میں تفصیلی گفتگو کے ساتھ یہ ظاہر کیا جاتا کہ کس درجہ میں کہ کیا اختلاف ہے لیکن علمی بحث ہونے کی وجہ سے عوام کے لیے موجب ملال و طول ہونے کی وجہ سے اس کو مختصر کر دیا مگر درحقیقت یہ علمار مجتہدین میں بڑی حد تک اختلاف کا سبب ہیں کہ بعض ائمہ کے نزدیک

بعض وجوہ روایات ضعف پیدا کرتی ہیں اور دوسرے ائمہ کے نزدیک نہیں۔

اسی وجہ سے علماء اصول فقہ اصول احادیث کی کتابوں کو علم حدیث شریف سے پہلے پڑھانا ضروری خیال فرماتے ہیں کہ جب یہ اصول ذہن نشین ہوجاوے کہ فلاں فلاں وجہ سے روایات متروک ہوجاتی ہیں تو پھر یہ اشکال ذہن میں نہیں رہتا کہ حدیث میں مسئلہ آجانے کے بعد پھر علماء اس کے خلاف کیوں کرتے ہیں، اسی وجہ سے میرا عرصہ سے دل چاہتا ہے کہ حدیث کے تراجم پڑھنے پڑھانے والے حضرات حدیث کی کتاب سے قبل کسی اصول حدیث کی کتاب کا خلاصہ واجمال بھی کاش پہلے پڑھا دیا کریں کہ عوام بیچارے جو حضور کا کلام ہونے کے شوق میں ان تراجم کو پڑھتے ہیں وہ ان کو پڑھ کر گمراہ نہ ہوں اور نہ مسائل فقہیہ سے طبیعت میں تنفر پیدا ہو نہ احادیث کی طرف سے بدگمانی خیال میں آجاوے۔ دونوں امر نقصان دین کا سبب ہیں واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیمۃ اور اس سبب کے بعد اور بھی ایسی وجوہ ہیں جن سے روایت مجروح ہوتی ہے تاوقتیکہ ان کا علم نہ ہو اس وقت تک بھی بروایت حدیث پر عمل جائز نہیں۔ صاحب تذکرہ لکھتے ہیں:

احادیث میں جو ایک نہایت ہی دشوار اور نازک امر ہے وہ یہ کہ جعل سازوں اور واعظوں نے چونکہ بہت سی احادیث اپنی طرف سے افترا کرلیں اور ان کے علاوہ بہت معتبر اور دیانت دار راویوں سے بھی معنے حدیث کے سمجھنے میں غلطی ہوئی اس لئے ائمہ مجتہدین کو احادیث کی جانچ کے لئے ایک ایک معیار قائم کرنا ضروری ہوا اور جو معیار واصول انہوں نے اس کے لیے قائم کئے وہ ان اصول کے علاوہ تھے جو عام محدثین نے حدیث کی جانچ کے لئے بنائے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء حدیث کے یعنی ان اصول عامہ کے جو محدثین کے قواعد کے موافق احادیث کی جانچ کے لئے بنائے تھے۔

مقرر رہیں۔ فقہاء رضی اللہ عنہم نے احادیث کی جانچ اور ترجیح و تنقیح کے لئے اصول بتلائے ہیں۔ جس کو اصول فقہ میں باب السنۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے ہم مثال کے طور پر اجمالی بیان بعض اصول حنفیہ کا کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ حدیث پر عمل کے لئے کن امور کے معلوم ہونے کی ضرورت ہے اور احادیث پر عمل کے مدعی کس قدر اس سے بے خبر ہیں۔ اہل اصول نے تصریح کی ہے کہ ان ضروریات کے علاوہ جن کا علم کلام اللہ کے لئے ضروری ہے، مثلاً یہ معلوم کرنا کہ یہ حکم خاص ہے یا عام یہ لفظ ایک معنیٰ پر دلالت کرتا ہے یا اس کے چند معنیٰ ہیں یہ لفظ اپنے ظاہر پر ہے یا اس کے کچھ معنی غیر ظاہر مراد ہیں یہ امر وجوب کے لئے ہے یا استحباب کے لئے وعید کے لئے ہے یا اجازت کے لئے غرض ان سب قواعد سے واقفیت تو ضروری ہے ہی جو کلام اللہ شریف اور احادیث کے معنیٰ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان احکام کے بھی جاننے کی ضرورت ہے جن کا تعلق صرف حدیث شریف سے ہے۔ اور یہ احکام چار مباحث میں منقسم ہیں۔ اول یہ کہ حدیث شریف کا ہم سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کا طریق معلوم ہونا ضروری ہے کہ احادیث کے طرق مختلف ہوتے ہیں بعض احادیث متواتر ہوتی ہیں بعض مشہور یا آحاد جن کا مختصر سا بیان ہم اوپر کر چکے ہیں۔ بالجملہ حنفیہ کے اصول میں اتصال کے لحاظ سے حدیث کی تین قسمیں ہیں، متواتر مشہور خبر واحد متواتر وہ ہے جس کا بیان اوپر ہو چکا۔ مشہور وہ ہے جو طبقہ اولیٰ یعنی صحابہؓ کے زمانہ میں ایک دو روایت کرنے والوں سے چلی ہو اور اس کے بعد نیچے کے طبقہ میں آکر اس کے روایت کرنے والے متواتر کے درجہ تک پہنچ گئے ہوں تیسری خبر واحد وہ ہے جو آخر تک متواتر کے درجہ کو نہ پہنچی ہو۔ اس تیسری قسم کی احادیث میں علماء کے درمیان اختلاف

ہے کہ یہ مطلقاً عمل کو واجب کرتی ہے یا نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ بعض صورتوں میں مطلقاً واجب کرتی ہے بعض میں نہیں۔ علمائے مالکیہ سے نقل کیا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک خلاف قیاس اگر ہو تو موجب عمل نہیں لیکن حنفیہ کے نزدیک اگر اس کا راوی فقیہ ہو بات کی تہ کو پہنچنے والا ہو جیسے خلفاء راشدین، عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن عمر عبداللہ بن عباس عبداللہ بن زبیرؓ زید بن ثابتؓ معاذ بن جبلؓ عائشہ صدیقہؓ وغیرہ وغیرہ تو وہ مطلقاً موجب عمل ہوگی خواہ قیاس کے مخالف ہو یا موافق۔ اور اس کے راوی فقاہت میں مشہور نہیں تو ان کی روایت خلاف و درایت معتبر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوہریرہ نے یہ نقل کیا کہ ہر آگ کی پکی ہوئی چیز کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو عبداللہ بن عباسؓ نے یہ کہہ کر کہ ہم گرم پانی سے وضو کرتے ہیں کیا اس سے پھر اعادہ وضو کریں۔ اس حدیث کو قابل حجت قرار نہیں دیا۔ اور اگر اس کا راوی اس نوع کا ہو کہ رواۃ حدیث میں معروف نہ ہو تو اگر اس سے روایت کرنے والے معتبر ہوں بلا نکیر روایت کرتے ہوں تو وہ شخص معروف ہی سمجھا جائے گا لیکن ہر راوی کے لئے چار شرطیں لازمی ہیں۔ مسلمان ہونا، صاحب عقل ہونا، حافظہ کا صحیح ہونا اور فاسق نہ ہونا پھر ان چاروں کے لئے تفصیلات ہیں جو اپنے موقعہ پر وضاحت سے مذکور ہیں کہ کس درجہ کا حافظہ وغیرہ ضروری ہے، مثلاً فاسق نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرتا ہو اور صغیرہ گناہ پر اصرار نہ ہو۔ اسی طرح ضبط کے متعلق بھی شرط ہے کہ سننے کے وقت پوری توجہ سے ایسا ہی سنا ہو جیسا کہ حق ہے اور اس کے بعد دوسرے کو پہنچانے تک اس کو یاد بھی رکھا ہو اور سننے کے وقت اس کو معنی کے لحاظ سے سمجھا بھی ہو۔

اس کے بعد دوسری بحث اس حدیث کے اتصال و انقطاع کے بارہ میں

ہے۔ انقطاع کی اہل اصول نے دو قسمیں فرمائی ہیں۔ ایک انقطاع ظاہری کہ سند
کے درمیان سے کوئی واسطہ چھوٹ گیا ہو عام ہے اس بات سے کہ وہ واسطہ
صحابی کا چھوٹا ہو یا غیر صحابی کا ائمہ کے درمیان میں اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے
کہ کس صورت میں یہ حدیث قابل استدلال ہوگی اور کس صورت میں نہیں
دوسرا انقطاع باطنی ہے حقیقت میں اس کو انقطاع سے تعبیر کرنا یہ باریک بینی کی
وجہ سے اور حدیث نبوی کے ساتھ غایت درجہ احترام ہے ورنہ ظاہری نظر میں
یہ انقطاع نہیں اس وجہ سے دیگر ائمہ فقہ و اصول اس نوع کو انقطاع سے تعبیر
نہیں کرتے بالجملہ یہ مختلف وجوہ سے ہوتا ہے۔ اول یہ کہ مخالف کتاب اللہ
اس کی مثال اہل اصول لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب کہ کوئی نماز بغیر فاتحہ
کے جائز نہیں بتلاتے ہیں کہ یہ مضمون چونکہ کلام اللہ شریف کی آیت فاقرؤا
ما تیسر من القرآن کے عموم کے خلاف ہے اس لئے اہل اصول کے نزدیک
اس میں کسی قسم کا انقطاع باطنی پایا گیا دوسرے یہ کہ کسی مشہور حدیث کے
خلاف ہو جیسے کہ حدیث القضاء بشاھد و یمین یعنی ایک گواہ کی صورت
میں دوسرے گواہ کے بالعوض قسم لے لی جاوے اور ایک گواہ اور ایک قسم پر
فیصلہ کر دیا جائے اور یہ حدیث مشہور البینۃ علی المدعی والیمین
علی من انکر کے خلاف ہے اس لئے صحیح نہیں اسی طرح کسی حادثہ مشہورہ
میں جو کثیر الوقوع ہو اس میں ایک آدھ راوی کا کسی امر کو ذکر کرنا اور بقیہ کو ذکر
نہ کرنا بھی اس کی دلیل ہے کہ اس میں کسی قسم کی گڑبڑی پیش آئی۔ اسی طرح
صحابہ کے زمانہ میں کسی مسئلہ کے متعلق صحابہ کا رد و قدح کے بعد اپنے اجتہاد
سے حکم فرمانا اور اس حدیث سے استدلال نہ فرمانا بھی جرح و قدح میں سے ہے
اسی طرح کسی راوی کا اپنی مروی حدیث سے انکار کر دینا یا اس حدیث کے
خلاف عمل کرنا یا فتوی دینا بھی روایت کی جرح و قدح میں سے ہے اس بحث کو زیادہ

طویل کرنا نہیں چاہتا اہل اصول نے نہایت مفصل وضاحت سے ان امور کو
مدلل بیان فرمایا ہے جس کا دل چاہے ان کی تالیفات میں دیکھے میرا مقصد یہ ہے
کہ جملہ ائمہ کے نزدیک خواہ وہ قبیلۂ فقہاء سے ہوں یا قبیلہ محدثین سے الملزوح
حدیث کے لئے کچھ اصول اور قواعد ہیں جن سے حدیث کا معیار اس کا درجہ
اس کا واجب العمل ہونا پرکھا جاتا ہے اور انہی قواعد کے اختلاف کی وجہ سے
ائمہ کے درمیان میں بہت سی روایات کے درمیان اختلاف ہوا ہے کہ بعض ائمہ
ایک حدیث پر عمل ضروری خیال فرماتے ہیں اس لئے کہ ان کی تنقید میں وہ حدیث
معیار کے موافق اتری ہے دوسرے بعض ائمہ اس کو قابل ترک فرماتے ہیں اس
لئے کہ ان کے تبصرہ میں حدیث حجت و اعتبار کے درجہ کو کسی وجہ سے نہیں پہنچی ان
دونوں میں فیصلہ وہ شخص کر سکتا ہے جو دونوں کے اصول انتقاد سے کما حقہ
واقف ہو اور جو دونوں سے بے بہرہ ہو او کہ خود گم است کرا رہبری کند۔ مجھے
حقیقۃً ان غیر مقلدین سے ہمیشہ تعجب رہا جو واقف ہو کر عوام کو اس عنوان سے
بہکاتے ہیں کہ مقلدین ائمہ کے مقابلہ میں حدیث کی پروا نہیں کرتے عوام غیر مقلدین
ان سے خود ناواقف ہیں ان کی شکایت نہیں اہل علم کی شکایت ضرور ہے کہ وہ
ان امور سے واقف ہو کر کتمان کرتے ہیں اور واقعی بات پر پردہ ڈال کر خلقت
کو دھوکا دیتے ہیں ائمہ کی شان بہت اعلیٰ ہے یہ امر تو عام مسلم سے بھی کبھی گوارا
نہیں ہو سکتا کہ حدیث کے سامنے نبی اکرم ؐ کے ارشاد کے مقابلہ میں کسی بڑے سے
بڑے کا قول بھی ماننے کے لئے تیار ہو جاوے لیکن یہ یقینی امر ہے کہ احادیث کا
جمع ان کی ترجیح ان کی تطبیق ان امور میں ہمعصر علماء کے بالمقابل ائمہ کا قول ان کی
تحقیق ان کی ترجیح مقدم اور ضروری ہے جس سے انکار ظلم اور تعدی ہے بالجملہ
ائمہ کے درمیان میں اختلاف بڑی وجہ روایات کے درمیان میں ترجیح ہے کہ
مختلف روایات میں سے ایک امام کے نزدیک بعض روایات راجح ہیں اور دوسرے

کے نزدیک دوسری روایات راجح ہیں جس ایک فریق کے نزدیک ایک نوع کی روایات راجح ہوئی ہیں اس کے نزدیک دوسری روایات جو اس حکم کے مخالف ہیں مجروح ہیں غیر ثابت ہیں، مؤول ہیں جن لوگوں نے ایسی کتب کا مطالعہ کیا ہے جو اختلاف ائمہ کے بارہ میں لکھی گئی ہیں جیسے میزان شعرانی، کتاب المغنی بدآیۃ المجتہد کشف الغمہ وہ اس حقیقت سے بہت زیادہ واقف ہیں کہ ائمہ کے مدارک اقوال کے مآخذ سب مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں صرف علۃ و استخراج مسائل کا فرق ہوتا ہے مثال کے لئے ہم بدایۃ المجتہد کی ایک فصل کے کچھ حصہ کی تلخیص ذکر کرتے ہیں جس سے اس امر کی توضیح ہو گی کہ حقیقتاً ماخذ ائمہ کے اقوال کے آیات و احادیث ہی ہیں البتہ طریق استنباط مختلف ہوتا ہے۔ ابن رشد کہتے ہیں کہ نواقض وضوء میں اصل باری تعالی کا قول ہے او جاء احد منکم من الغائط او لمستم النساء اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ لا یقبل اللہ صلوۃ من احدث حتی یتوضاء۔ اس باب میں ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بول و براز ریح مذی ودی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے بوجہ روایات واردہ کے اور اس باب میں سات مسائل جو بمنزلہ قواعد کلیہ کے ہیں مختلف ہیں۔

اول ان اشیاء میں اختلاف ہے جو سبیلین کے علاوہ بدن انسانی سے کوئی نجس خارج ہو اور علماء کے اس میں تین اقوال ہیں جن لوگوں نے آیت بالا میں خروج نجس کو علۃ نقض قرار دیا ان کے نزدیک بدن کے جس حصہ سے بھی خروج نجس ہو گا وہ ناقض وضو ہو گا اس لئے علت نقض پائی گئی اور یہ لوگ امام ابو حنیفہ اور ان کی جماعت اور امام ثوری امام احمد بن حنبل ہیں اور ان سے قبل صحابہ کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے ان کے آثار ان کے شاہد ہیں ان حضرات کے نزدیک ہر نجس کا خروج خواہ بدن کے کسی حصہ سے ہو ناقض وضو ہے،

جیسے خون نکسیر فصد قے وغیرہ

دوسرا قول دوسرے ائمہ کا ہے انہوں نے آیت بالا میں نقض وضو کی علت خروج من السبیلین قرار دی ان کے نزدیک سبیلین سے جو کچھ بھی نکلے خواہ دم یا کنکر اور جس طرح بھی نکلے مرض سے یا صحت سے ناقض وضو ہوگا غیر سبیلین کے خارج کا یہ حکم نہیں یہ لوگ امام شافعی صاحبؒ اور ان کی جماعت ہیں

تیسری وہ جماعت ہے جنہوں نے خارج اور محل خروج دونوں کا اعتبار کیا وہ فرماتے ہیں سبیلین میں سے جو معتاد چیز خارج ہو جیسے پیشاب مذی وغیرہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور جو غیر معتاد خارج ہو جیسے کیڑا خون وغیرہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس قول کے قائل امام مالکؒ اور ان کے ہمنوا ہیں اب اسی ایک آیت سے ائمہ اربعہ نے استدلال استنباط فرمایا لیکن چونکہ علۃ نقض وضو میں جملہ حضرات کا اختلاف تھا اس لئے حکم میں بھی اختلاف ہوتا رہا اور ان ہی اصول کی بنا پر اب آثار و روایات میں بھی اختلاف ہوا امام ابو حنیفہؒ امام احمد بن حنبلؒ امام شافعی صاحبؒ کے نزدیک چونکہ آیت میں اگرچہ خاص ما خرج من السبیلین کا حکم ہے لیکن یہ ایک تمثیل ہے اور حکم عام ہے اس لئے مستحاضہ وغیرہ کی ان روایات میں جن میں مستحاضہ کے لئے وضو کا حکم ہے اس سے ان حضرات نے تائید پکڑی اور امام مالکؒ کے نزدیک چونکہ یہ حکم خاص تھا لہذا مستحاضہ کی ان روایات میں جن میں وضو کا حکم وارد ہوا تھا انہوں نے کلام فرمایا اور اس زیادتی وضو کو غیر ثابت غیر معتبر قرار دیا۔

اسی طرح دوسرا مسئلہ نوم کا ہے کہ علماء کے اس میں بھی تین مذہب ہیں۔ بعض نے نوم کو مطلقاً ناقض وضو فرمایا اور دوسرے بعض حضرات نے مطلقاً غیر ناقض وضو فرمایا اور تیسری جماعت نے تفصیل فرمائی کہ بعض انواع نوم کو ناقض وضو قرار دیا اور بعض کو نہیں یہ کیوں ہوا اس لئے کہ باب نوم میں دو طرح کی روایات

وارد ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نوم ناقض نہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور آرام فرمایا حتی کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کی آواز خراٹوں کی سنی اور پھر حضورؐ نے اٹھ کر نماز پڑھ لی اور وضو نہیں فرمایا۔ اسی طرح ایک روایت میں وارد ہوا کہ بعض صحابہؓ مسجد میں بیٹھے ہوتے نماز کے انتظار میں اونگھنے لگتے تھے اور پھر نماز پڑھ لیتے تھے لیکن دوسری روایات اس کے خلاف ہیں مثلاً صفوان بن عسال نقل کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا پیشاب پاخانہ یا نوم کی وجہ سے موزہ اتارنے کی ضرورت نہیں مسح کافی ہے البتہ جنابت کی حالت میں مسح کافی نہیں ایسے ہی ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ وضو اس پر واجب جو لیٹ کر سوئے وغیرہ وغیرہ علماء نے ان دونوں قسموں کی روایات میں دو طریق اختیار فرمائے بعض حضرات نے ترجیح کو اختیار کیا اور اس میں پھر دو طریق ہو گئے کہ ایک گروہ نے اول نوع کی احادیث کو راجح سمجھا اور اس کی وجوہ ترجیح ان کو زیادہ ملی انہوں نے دوسری قسم کی روایات کو مرجوح قرار دیا اور دوسروں نے اس کا عکس کیا اور تیسرے فریق نے دونوں کو راجح سمجھا کسی ایک کی خاص طور سے ترجیح کی وجوہ ان کو نہ ملیں۔ انہوں نے دونوں کے درمیان جمع فرمایا اور نوم کی اقسام میں تفریق فرمائی کہ ایک قسم نوم کو ناقض وضو قرار دیا اور دوسری قسم کو ناقض نہیں سمجھا۔

اسی طرح تیسرا مسئلہ عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹنے کا ہے ایک جماعت کا مذہب ہے کہ اگر عورت کو ہاتھ سے بلا کسی حائل کے چھو دے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور دوسری جماعت کی تنقیح ہے کہ یہ حکم مطلقاً نہیں بلکہ اس کے ساتھ لذت کی بھی قید ہے کہ اگر لذت سے ہاتھ لگائے گا تو وضو ٹوٹ جاوے گا ورنہ نہیں۔ تیسری جماعت کی تحقیق ہے کہ ہاتھ سے چھونے سے وضو ٹوٹتا ہی نہیں صحابہ

یا رضی اللہ عنہم کی جماعت میں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا اور اسی وجہ سے صحابہ اور تابعین کی جماعت میں بھی تینوں مذاہب کے قائل ملتے ہیں، ائمہ میں پہلا قول امام شافعی کا ہے دوسرا طریق امام مالک رضی اللہ عنہ کا مختار ہے اور تیسرا مسلک امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا۔ ان حضرات کے اختلاف کا مبنیٰ لفظ لمس کا مشترک المعنی ہونا ہے کلام اللہ شریف میں او لٰمستم النساء وارد ہوا ہے، اور کلام عرب میں لمس کا اطلاق دو معنی پر آتا ہے صحبت اور جماع کرنے میں بھی بولا جاتا ہے۔ اور ہاتھ سے چھونے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اس بنا پر ائمہ کے درمیان میں اختلاف ہوا ایک جماعت کے نزدیک اس سے جماع کرنا مراد ہے اس لئے ان کے نزدیک یہ آیت وضو توڑنے والی چیزوں کو شامل ہی نہیں۔ یہ امام اعظم رح کا مسلک ہے، دوسرے حضرات کے نزدیک وضو توڑنے کا بیان ہے اور لمس سے مراد چھونا ہے ان کے نزدیک آیت سے وضو ٹوٹنے کا حکم معلوم ہوا، لیکن ان حضرات میں پھر یہ اختلاف ہوا کہ یہ حکم عام ہے یا کسی قید کے ساتھ مقید ہے حضرات شافعیہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مطلق ہے کسی قید کے ساتھ مقید نہیں اس لئے ان کے نزدیک اس سے مطلقاً وضو ٹوٹ جاتا ہے، امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ مقید ہے ایک اور قید کے ساتھ وہ یہ کہ لذت سے چھوا ہو ان سب حضرات کے نزدیک اس امر کے لئے آثار و قرائن بھی موجود ہیں اور ان آثار و قرائن ہی کی بنا پر وہ حضرات اس آیت کے معنی متعین فرماتے ہیں مثلاً امام مالک اور امام اعظم رضی اللہ عنہما کے نزدیک منجملہ اور بہت سے قرائن کے ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعدد طرق سے یہ بات ثابت ہے کہ بسا اوقات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک نماز یا غیر نماز کی حالت میں حضرت عائشہ رض کو لگ جاتا تھا اور حضور ص وضو نہیں فرماتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ آپ اندھیرے میں نماز تہجد ادا فرما رہے تھے۔ کہ چراغ وغیرہ کا

اس زمانہ میں دستور نہ تھا سجدہ کو جاتے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو قریب ہی سورہی تھیں ان کا پاؤں سامنے آگیا تو حضورؐ نے نماز ہی کی حالت میں اس کو ہٹا دیا اس سے معلوم ہوا کہ صرف چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ لیکن ہر طرح کے چھونے سے نہیں ٹوٹتا یا کسی خاص چھونے سے بالکیہ کے نزدیک بلا شہوت سے نہیں ٹوٹتا اور حنفیہ کے نزدیک عام ہے کسی طرح کے چھونے سے نہیں ٹوٹتا کیوں! اس لئے کہ ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہؓ نقل فرماتی ہیں کہ حضورؐ بعض مرتبہ کسی بیوی کو پیار کرتے اس کے بعد بلا وضو فرمائے نماز ادا فرماتے۔

یہ چھونا بالامحالہ شہوت اور محل شہوت کا ہے اس لئے بیوی کو پیار بالعموم بلا شہوت نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ غرض اس طرح سے ائمہ کے درمیان میں جو اختلاف ہوتا ہے وہ حقیقتہً اس اختلاف آثار و روایات پر متفرع ہوتا ہے جس کو میں سابقہ مضمون میں مفصل نقل کرچکا ہوں اور اس کے ساتھ اختلاف وجوہ ترجیح اور وجوہ ضعف روایات مزید برآں ہیں۔

الحاصل ائمہ کے درمیان میں اختلاف کی بڑی وجہ روایات حدیث کے نقد وتبصرہ پر متفرع ہے کہ مختلف اسباب ضعف کی بنا پر ایک روایت کسی امام کی تحقیق میں سچی ثابت ہوئی اس کے نزدیک وہ واجب العمل اس سے جو حکم ثابت ہوتا ہو وہ واجب العمل دوسرے امام کے نزدیک وہ روایت معیار صداقت میں درجہ کمال کو نہیں پہنچی اس وجہ سے اس کے نزدیک اس سے حکم شرعی کا ثبوت دشوار۔ اور حقیقتہً یہ اختلاف اپنے محل پر ہے بداہۃً عقل اس کی تصدیق کرتا ہے اس لئے کہ جب روایات حدیث کی صحت وسقم کا مدار رواۃ کے احوال پر ہے اور رواۃ کے احوال میں اختلاف تحقیق یقینی تو روایات حدیث پر عمل میں اختلاف بھی یقینی اس کی مثال اس بیمار کی سی ہے جو چند طبیبوں کے درمیان ہو کہ ایک حکیم کے نزدیک اس کا مرض نہایت خطرناک دوسرے کے نزدیک معمولی اور تیسرے

کے نزدیک بیمار کا وہم ہی اس کی بیماری کا سبب ہے ورنہ وہ تندرست ہے اسی طرح ایک راوی بعض اہل نظر کے نزدیک ایک غیر معتبر اور مطعون ہے دوسرے کے نزدیک ایماندار سچا ہے تو ایسی حالت میں نہ ان اطبا پر حملہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ائمہ جرح و تعدیل پر بلکہ بیمار کے تیمار داروں سے یا احادیث و شریعت کے پیروں سے یہی کہا جاوے گا کہ تمہاری نگاہ میں جس شخص کی تحقیق پر اعتماد ہو اس کے ساتھ ہو تو حق سبحانہ مدد فرمادیں نہ یہ کہ معجون مرکب بنا کر سب کا استعمال شروع کر دیا جاوے۔ ائمہ حدیث نے تصریح کی ہے کہ ناقدین حدیث کی مثال صراف کی سی ہے۔ کہ سونے کو دیکھ کر فوراً تاڑ جاتا ہے کہ کھرا ہے یا کھوٹا حافظ ابن حجر شرح نخبہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

کہ علوم حدیث کی انواع میں سب سے زیادہ دقیق بحث معلل کی ہے اس کا ماہر وہی شخص ہو سکتا ہے جس کو حق تعالیٰ شانہ روشن فہم اور وسیع حافظہ عطا فرمادیں نیز رواۃ کے درجہ اور رتبہ کی معرفت اور ملکہ قویہ اسانید اور متون میں پیدا ہو گیا ہو اسی وجہ سے ائمہ حدیث میں سے بہت ہی قلیل جماعت نے اس میں لب کشائی فرمائی ہے، جیسے علی بن المدینی امام احمد بن حنبل بخاری دارقطنی وغیرہ ہیں اس کے بعد لکھتے ہیں کہ حدیث میں علت بیان کرنے والے کی عبارت بسا اوقات اس سے قاصر ہوتی ہے کہ وہ اس پر حجۃ و دلیل قائم کر سکے جیسے کہ صراف دراہم دنانیر کو پرکھتے ہیں۔ اسی طرح علامہ سیوطی تدریب میں لکھتے ہیں۔

کہ انواع حدیث میں سے اٹھارویں قسم معلل ہے یہ نوع جملہ انواع میں جلیل و دقیق ہے۔ اور اشرف انواع میں شمار ہوتی ہے وہی لوگ اس پر قابو پا سکتے ہیں جن کا حافظہ اور جانچ کامل ہو۔ حاکم کہتے ہیں کہ حدیث بسا اوقات معلل ہو جاتی ہے اور ظاہراً کوئی جرح اسمیں معلوم نہیں ہوتی اور حجت تعلیل میں ہم لوگوں کے نزدیک حافظہ فہم اور حدیث کی معرفت ہے اور کچھ نہیں۔

ابن مہدی کہتے ہیں کہ مجھے ایک حدیث کی علت معلوم ہو جاوے وہ اس سے بہتر ہے کہ دس احادیث جدید حاصل کر دوں علامہ نووی کہتے کہ علت حدیث اس باریک عیب کو کہتے ہیں جو مخفی ہو ظاہر حدیث میں کوئی جرح نہیں ہوتی مگر حقیقتاً اس میں کوئی باطنی جرح ہوتی ہے جو کبھی تفرد راوی سے معلوم ہو جاتی ہے اور کہیں رواۃ کی مخالفت سے اور اس کے ساتھ کچھ اور قرائن منضم ہو جاتے ہیں جس کو اہل فن معلوم کر سکتے ہیں۔ ابن مہدی سے کسی نے پوچھا کہ تم بعض احادیث کو معلل کہہ دیتے ہو بعض کو صحیح یہ کس طرح معلوم کرتے ہو انہوں نے فرمایا کہ اگر صراف کے پاس تم کچھ دراہم لے کر جاؤ اور وہ بعض کو کھوٹا بتلا دے اور بعض کو عمدہ تو اس سے بھی پوچھتے ہو کہ کس دلیل سے پہچانا۔ حقیقت یہ ہے کہ احادیث کے ساتھ کثرت ممارست اور ہر وقت کی چھان بین سے یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے ابوزرعہ سے کسی نے پوچھا کہ تم بعض احادیث کو کھوٹی بتلا دیتے ہو اس پر کیا دلیل ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے کسی حدیث کو پوچھو اور جب میں کھوٹی بتلا دوں تو ابن وارہ سے پوچھو اور پھر ابو حاتم سے پوچھو اگر سب ایک ہی بات کہیں تو حقیقت سمجھ لو گے چنانچہ انہوں نے اس کا تجربہ کیا تو ایسے ہی ملا۔ مجھے ان اقوال کا احاطہ مقصود نہیں۔ علم حدیث سے ممارست رکھنے والے اس کو خوب جانتے ہیں، میرا مقصود اس امر کو واضح کرنا تھا کہ ائمہ کا اختلاف اول روایات و آثار کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے جو سابقہ مباحث میں گذر چکے اور اس کے ساتھ ان کی تصحیح و تضعیف میں اختلاف جو بدیہی اور فطری ہے۔ مزید بر آں اس زمانہ میں چونکہ علم سے ناشناسائی جاتی رہی اس وجہ سے عوام کو چھوڑ کر بہت سے ناقص العلم مدعی فضل و کمال اس دھوکہ میں مبتلا ہیں کہ ائمہ کے اجتہادات آپس میں مخالف ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ ائمہ اپنی طرف سے بلا دلیل اور بلا کسی ماخذ کے اجتہاد کر لیتے ہیں بلکہ

غالب حصہ مشکوٰۃ نبوت ہی سے مستنبط ہوتا ہے اور وجوہ استنباط مختلف ہوتے ہیں، بالجملہ ائمہ کے درمیان میں اختلاف کی بڑی وجہ ان روایات کا درجہ ہے جن میں احکام وارد ہوئے ایک امام کے نزدیک ایک روایت جو کسی حکم کو شامل ہے وہ صحیح ہے معتبر ہے دوسرے امام کے نزدیک دوسری روایت جس میں اس کے خلاف حکم ہے وہ صحیح اور معتبر ہے، اور جبکہ ائمہ فقہ خود بمنزلہ طبیب اور صرّاف کے ہیں روایات پر قبول اور رد کا حکم لگانا ان کا کام ہے اس پر یہ جرح یا اشکال کرنا کہ فلاں امام نے اس روایت کو کیوں معتبر نہیں سمجھا حماقت اور جہالت ہے اس لئے آج تیرہ سو برس بعد نہ یہ محقق متعین کہ ائمہ کے پاس روایات ان اسانید سے پہنچیں جو ہمارے سامنے ہیں اور نہ یہ کہ ائمہ کے نزدیک یہی وجوہ جرح ہیں جو ہمارے نزدیک ہیں یا بخاری مسلم نے تحریر فرمادی ہیں بالخصوص جب کہ ائمہ اربعہ کا درجہ رتبہ زمانہ سب کچھ بخاری مسلم سے مقدم ہے اور جب ان سے مقدم ہے تو پھر ان کے بعد والے ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ کا کیا کہنا اور اس کے بعد ان کے بھی پیچھے آنے والے دار قطنی بیہقی وغیرہ کا تو ائمہ کے سامنے ذکر ہی کیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان سب حضرات کو بھی باوجود اپنی جلالت شان اور ائمہ حدیث ہونے کے فقہ میں تقلید بغیر چارہ نہیں ملا اور نہ ہو سکتا ہے کہ روایت حدیث کے الفاظ نقل فرمادینا، اس کے طرق محفوظ فرمالینا امر آخر ہے اور اس سے مسئلہ کا استنباط اور فقہی حیثیت سے اس پر عمل امر آخر ہے۔

اس کے بعد دوسرا اختلاف ائمہ فقہ میں وجوہ ترجیح میں ہوا ہے اس کا بیان اگر مجملاً پہلے آچکا ہے مگر چونکہ یہی درحقیقت ائمہ کے مابین اختلاف کی بڑی وجہ ہے اس لئے اجمالی گفتگو اس پر مستقل کرنی بھی ضروری ہے ائمہ کے درمیان میں روایات کو صحیح مان کر وجوہ ترجیح میں بھی اختلاف ہے یعنی دو مختلف مضمون کے درمیان میں وجہ ترجیح کیا کیا ہو سکتی ہے، یہ بیان بھی بہت طویل ہے اور ائمہ

اربعہ کی کتب دیکھنے سے اس کی تفصیلی حقیقت واضح ہوتی ہے تمثیل کے طور پر مختصراً عرض کرتا ہوں سفیان بن عیینہ نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور اوزاعی کا اجتماع مکہ کے ایک بازار میں ہوا، امام اوزاعی نے امام صاحب سے سوال کیا کہ تم لوگ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔ امام صاحب نے فرمایا اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کا ثبوت صحت کے درجہ میں نہیں پہنچا اوزاعی نے زہری عن سالم عن ابیہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یرفع یدیہ اذا افتتح للصلوٰۃ وعن الرکوع وعند الرفع منہ یعنی زہری سالم سے نقل کرتے ہیں اور وہ ابن عمر سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے ہوئے اور رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین فرماتے تھے۔ امام صاحب نے اس کے جواب میں حماد عن ابراہیم عن علقمۃ والاسود عن ابن مسعودؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لایرفع یدیہ الاعند افتتاح الصلوٰۃ الحدیث پڑھ کر سنائی یعنی حماد ابراہیم سے اور وہ علقمہ اور اسود سے اور وہ دونوں عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تھے تو رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت فرماتے تھے اس پر اوزاعی نے کہا کہ میں زہری عن سالم کی سند بیان کرتا ہوں یعنی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تین ہی واسطے ہیں اور تم چار واسطے والی سند حماد عن ابراہیم نقل کرتے ہو امام صاحب نے فرمایا کہ حماد زہری سے زیادہ فقیہ ہیں، اور ابراہیم سالم سے زیادہ اور علقمہ بھی فقاہت میں ابن عمر سے کم نہیں، اور اگر ابن عمر کو صحابی ہونے کی فضیلت حاصل ہے تو علقمہ کو اور بعض فضائل حاصل ہیں، اور عبداللہ بن مسعود کا تو پوچھنا ہی کیا اس پر اوزاعی کو سکوت کرنا پڑا۔ ابن عربی ترمذی کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جب ابن عمرؓ اور ابن مسعودؓ میں کسی امر میں تعارض ہو تو

ابن مسعودؓ کو ترجیح ہوگی۔

میرا مقصود اس مناظرہ کے ذکر کرنے سے ان دونوں حضرات کی وجوہ ترجیح کو تبلانا ہے کہ اوزاعی کے نزدیک اور بھی حضرات شافعیہ کا بھی مسلک ہے، کہ سلسلہ سند کے کم ہونے سے ترجیح روایت کو حاصل ہوتی ہے اور امام صاحب کے نزدیک روایت کرنے والوں کے فقیہ ہونے سے ترجیح ہوتی ہے اور حنفیہ کے نزدیک وجوہ ترجیح میں سے اہم وجہ یہ بھی ہے کہ جب روایات کے درمیان تعارض ہوتا ہے تو یہ فقیہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں اور قرین عقل بھی ہے کہ جس قدر آدمی سمجھ دار ہوگا اسی قدر بات کو علیٰ وجہ الاتم نقل کر سکتا ہے اسی طرح سے حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اہل مدینہ کا عمل کسی روایت کے موافق ہونا اس کی ترجیح کی وجہ ہوتی ہے یعنی جب کہ دو روایتوں میں تعارض ہو تو جس حدیث کے موافق اہل مدینہ کا عمل درآمد ہوگا وہ اس کو راجح قرار دیں گے چنانچہ مؤطا امام مالک کے دیکھنے سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے ابن عربی مالکی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں:

کہ امام مالک کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی حدیث اہل مدینہ میں مشہور ہوتی ہے تو وہ سند کی تنقیح سے مستغنی ہوتی ہے جن وجوہ سے روایات کے درمیان میں ترجیح ہوتی ہے وہ بہت زیادہ ہیں۔ حازمی نے کتاب الناسخ والمنسوخ میں پچاس وجوہ ترجیح تبلائی ہیں جن کی بنا پر دو روایتوں میں سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح ہوتی ہے اور عراقی نے کتاب النکت میں سو سے زیادہ تبلائی ہیں یہ سب وجوہ ائمہ کے درمیان میں متفق علیہ نہیں عمل بالحدیث کرنے والے کا بڑا فرض ہے کہ ان سب کی تحقیق کرنے کے بعد یہ دیکھے کہ کونسی روایت میں وجوہ ترجیح زیادہ پائی جاتی ہیں تاکہ وہ اس کو دوسری متعارض روایات پر ترجیح دے سکے اسی وجہ سے حنفیہ ان روایات کو بھی ترجیح دیتے ہیں جو قوۃ سند یا علو سند کے لحاظ سے

زیادہ راجح نہیں ہوتیں کیوں؟ اس لئے کہ انمیں اس سے زیادہ قوی وجوہ ترجیح
پائی جاتی ہیں۔ مثلاً حنفیہ کے نزدیک کسی مضمون حدیث کا اوفق بالفاظ القرآن ہونا
قوی تر وجوہ ترجیح میں سے ہے اور یہ امر نہایت بدیہی ہے اس لئے کہ الفاظ حدیث
کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہونا یقینی نہیں رواۃ کا بالمعنیٰ حدیث نقل
کرنا پہلے بیان کیا جاچکا اور الفاظ قرآنی کا بلفظہٖ منقول ہونا قطعی ہے اس لئے مختلف
روایات کے مضمون میں جو مضامین الفاظ قرآنیہ سے زیادہ قریب معلوم ہونگے
اس کا راجح ہونا یقینی اور بدیہی امر ہے۔ اسی وجہ سے حنفیہ رفع یدین کی روایات
کے درمیان میں ان روایات کو راجح قرار دیتے ہیں جو عدم رفع پر دلالت کرتی
ہیں، اس لئے کہ کلام مجید میں وقوموا للّٰہ قانتین وارد ہوا ہے اور اس
کے معنیٰ راجح قول کے موافق ساکنین کے ہیں اس بنا پر جتنی مختلف روایات ایسی
ہوں گی جن میں سے ایک سکون کے قریب ہو وہ حنفیہ کے نزدیک راجح ہوگی
اور واقعات سے اس کی شہادت اور تائید ملتی ہے کہ بالاتفاق نماز میں اول اول
بہت سے اعمال مثلاً بولنا بات کرنا وغیرہ وغیرہ جائز تھے پھر رفتہ رفتہ سکون کی
طرف انتقال ہوا اس لئے ہر وہ متعارض روایات میں سے جو بھی روایت
سکون کے قریب ہوگی۔ حنفیہ کے نزدیک وہ راجح ہوگی اسی وجہ سے حنفیہ
کے نزدیک قراءۃ خلف الامام کی متعارض روایات میں وہ روایات راجح
ہیں جو عدم قراءۃ پر دلالت کرنے والی ہیں اس لئے کہ وہ آیت قرآنی واذا
قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کے اقرب ہیں اسی وجہ سے احناف
کے نزدیک صبح کی نماز اور عصر کی نماز میں تاخیر اولی اور افضل ہے اس لئے کہ
وہ آیت قبل طلوع الشمس و قبل غروبہا کے زیادہ قریب ہے اس
لئے کہ آفتاب کے طلوع ہونے سے قبل اور غروب ہونے سے قبل اسی وقت
بولا جاتا ہے جب کہ اس کے قریب ہو، اس لئے کہ غروب سے تین چار گھنٹہ قبل

کوکوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ میں اس سے قبل پہنچ جاؤں گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ حنفیہ نے وتر کے قنوت میں اللھم انا نستعینک الخ اس دعا کو راجح قرار دیا ہے کہ یہ قرآن شریف کی دو سورتیں بتائی جاتی ہیں اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں جن کو تطویل کے خوف سے ترک کیا جاتا ہے، مگر عمل بالحدیث کے لئے وجوہ ضعف روایات اور وجوہ ترجیح کا معلوم کرنا نہایت ہی اہم ہے۔ بدون اس کے عمل بالروایات ممکن ہی نہیں۔ میں نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں اصول ائمہ کی تلخیص اور وجوہ ترجیح جمع کرتے شروع کئے تھے۔ مگر وقت نے اس کی تکمیل کی مساعدۃ نہ کی۔

واللہ الموفق۔

حضرت شیخ ارشاد فرماتے ہیں

یہ مضمون کچھ اس سے زائد بھی لکھا گیا تھا مگر اس وقت مسوّدہ اتنے ہی کا ملا اس کے بعد اسباب کی نامساعدت سے رسالہ "المظاہر" ہی بند ہو گیا۔ احباب کا بہت ہی شدید اصرار اس کی تکمیل کا رہا، اور میری بھی خواہش رہی اس لئے کہ جو مضامین اس وقت میرے ذہن میں تھے وہ بہت ہی طویل اور مبسوط تھے۔ میرا اندازہ اس وقت چار سَو۔ پانچسَو صفحات لکھنے کا تھا مگر اس کے بعد مشاغل کے ہجوم نے اس کی تکمیل کی نوبت نہ آنے دی اور مجھے اس کے ناقص ہونے کی وجہ سے اس کی طباعت کا بھی واہمہ نہیں ہوا، اگرچہ بہت سے احباب نے اصرار کئے مگر میں ہر مرتبہ یہی کہتا رہا کہ وہ تو ابتدائی اور ناقص مضمون ہے۔ لیکن میرے ۱۳۹۰ھ کے سفر حجاز میں عزیز شاہد سلمہٗ نے ان پریشان اوراق کو نامعلوم کہاں سے تلاش کر لیا، ابھی اس کے ۱۔۲ جز اور لکھے ہوئے باقی ہیں جو نہیں ملے اس نے اس کی طباعت پر اصرار کیا اور کہا اتنا بھی ضروری اور بہت مفید ہے، اور میرے مخلص احباب مفتی محمود صاحب، مولوی یونس صاحب مولوی عاقل صاحب، مولوی سلمان صاحب وغیرہ سب ہی نے اس کی طباعت پر زور دیا۔ اس لئے میں نے عزیز موصوف کو اس کی طباعت کی اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ اس کو بھی اور پڑھنے والوں کو بھی فائدہ پہنچائے۔

محمد زکریا
۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ

تقریر بخاری شریف (اردو)

— از —

افاضات العلامہ المحدث الکبیر عارف باللہ حضرت

شیخ الحدیث صاحب مہاجر مدنی قدس اللہ سرہ

یہ مجموعہ حضرت اقدسؒ کی بخاری شریف کی تقاریر کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس کو درس ہی کے انداز پر قلمبند کیا گیا۔ حاشیہ اور عبارت آرائی سے اجتناب کیا گیا۔ یہ تقریر جس طرح ایک طالب علم کیلئے مفید ہے اسی طرح ایک مدرس و عالم کیلئے بھی رہنما ہے۔ پوری تقریر تو انشاء اللہ ہزار صفحات کے لگ بھگ پر آئیگی۔ اس کا پہلا حصہ $\frac{20 \times 30}{8}$ کی بڑی تقطیع کے ۴۰۸ صفحات پر محیط ہے، دوسرا حصہ ۲۰۸ صفحات پر زیر طبع ہے۔

ھدیہ حصہ اول : ———— ۴۵/-

مکتبۃ الشیخ



حضرت اقدس شیخ الحدیث، عارف کبیر، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی ثم مہاجر مدنی قدس اللہ سرہٗ

پتہ ◎ محمد یحییٰ مدنی ◎ ۳/۳۶۷ بہادر آباد، بالمقابل مسجد رحمت عالم ◎ گلی نمبر ۱۹ ◎ کراچی

• مکتبہ نے حضرت اقدسؒ کی خود اپنی اور دوسرے اہل حق کی پسند فرمودہ تصانیف کی طباعت کا آغاز کیا ہے۔

ابتداء

تقریر بخاری شریف (اردو) سے جس کی تفصیل اندر کے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

دیگر زیر طبع کتب

(۱) تقریر بخاری شریف (اردو) جلد ثانی (۲) فضائل عربی زبان

(۳) داڑھی کا وجوب (۴) فتاویٰ خلیلیہ

تصانیف

حضرتِ اقدس شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب
مہاجر مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ

خصائلِ نبوی اردو شرح شمائل ترمذی
حکایاتِ صحابہؓ
فضائل ذکر
فضائل نماز
فضائل قرآن مجید
فضائل رمضان
فضائل تبلیغ
فضائل درود شریف
فضائل حج
فضائل صدقات (۲ حصے)
فضائل تجارت
اسلامی سیاست یا الاعتدال
فی مراتب الرجال
موت کی یاد

تبلیغی جماعت پر چند عمومی اعتراضات
اور اُن کے مفصّل جوابات
تقریر بخاری شریف
تاریخ مشائخ چشت
کتبِ فضائل پر اشکالات
اور اُن کے جوابات
اکابر کا رمضان
خوانِ خلیل (مع ضمائم)
مکتوباتِ شیخؒ
آپ بیتی (۷ حصے)
قرآن مجید اور جبریہ تعلیم
حجۃ الوداع (اردو)
تاریخ مظاہر (۲ حصے)
مکتوباتِ تصوّف

مکتوباتِ علمیہ
اکابر کا سلوک واحسان
ارشاد الملوک (مقدمہ)
اکمال الشیم (مقدمہ)
داڑھی کا وجوب
فضائل زبان عربی
اختلاف الائمہ
رسالہ اسٹرائک
تکملہ الاعتدال
اکابر کا تقویٰ
آداب الحرمین
وصایا امام ابوحنیفہؒ
شریعت وطریقت
اکابر علماء دیوبند

بذلُ المجهود فی حلّ سُننِ ابی داؤد
الکوکب الدری علی جامع الترمذی
حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم
امانی الاحبار فی شرح معانی الآثار

لامع الدراری علی جامع البخاری
اوجز المسالک الی موطا امام مالک
الابواب والتراجم للبخاری